قرآن کریم اور سنت نبویہ علی صاحبہا الصلاۃ والسلام کی تعلیمات کا علمبردار

بینات

جلد: ۷۵ شمارہ: ۱۲

ذوالحجہ: ۱۴۳۳ھ - نومبر: ۲۰۱۲ء

قیمت فی شمارہ: ۳۰ روپے، زر سالانہ: ۳۵۰ روپے

مدیر / مدیر مسئول

مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر

نائب مدیر

مولانا سید سلیمان یوسف بنوری

ناظم

مولانا فضل حق یوسفی

مجلس ادارت

مولانا محمد اعجاز مصطفی (مدیر معاون)

مولانا امداد اللہ صاحب (ناظم تعلیمات)

مفتی رفیق احمد بالاکوٹی

خط و کتابت اور ترسیل زر کا پتہ:

ماہنامہ ''بینات'' پوسٹ بکس نمبر ۳۴۶۵، کراچی ۷۴۸۰۰

جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

فون دفتر بینات: ۳۴۹۲۷۲۳۳

فون جامعہ: ۳۴۹۱۳۵۷۰ - ۳۴۱۲۱۱۵۲ - ۳۴۲۳۳۳۶۶

ایکسٹینشن: ۱۴۶ - ۱۴۷

فیکس: 92-21-4919531

بیرون ملک سے بذریعہ ہوائی ڈاک

ریاست ہائے متحدہ امریکہ، جنوبی افریقہ، تھائی لینڈ،

ناروے ویسٹ انڈیز وغیرہ: ۳۵ امریکی ڈالر

سعودی عرب، متحدہ عرب امارات، مسقط، بحرین، عمان،

ایران، انڈیا وغیرہ: ۲۷ امریکی ڈالر

بنگلہ دیش: ۲۵ امریکی ڈالر

جامعۃ العلوم الاسلامیۃ

علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن

ناشر: مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر مطبع: ایجوکیشنل پریس کراچی طابع: فیروز ذکی

www.banuri.edu.pk

فہرستِ مضامین

بصائر و عبر

حج... مظہر عشق و بندگی!	۳	مولانا سید سلیمان یوسف بنوری
ایک ضروری وضاحت!	۱۰	" " " " " "

مقالات و مضامین

شامتِ اعمال	۱۳	حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ
فتاویٰ عالمگیری اور اس کے مؤلفین!	۲۳	مولوی محمد عمران ممتاز
اقوالِ زریں امام غزالی رحمہ اللہ (۴)	۳۹	مولانا قاری محمد عطاء الرحمٰن اعوان
تصویر کی حرمت، قرآن وسنت کی روشنی میں (۴)	۴۲	جناب سخی داد خوستی صاحب
مرحبا سیدی و مکی و مدنی ﷺ	۴۸	مولانا گل نواز ایوبی، فاضل جامعہ

دار الافتاء

قربانی کے احکام و مسائل	۵۲	حضرت مولانا مفتی ولی حسن ٹونکیؒ

نقد و نظر

	۶۱	ادارہ

حج ... مظہرِ عشق و بندگی

سید سلیمان یوسف بنوری

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی ، أمّا بعد :

''وأذّن فی الناس بالحج یأتوک رجالا وعلی کل ضامر یأتین من کل فج عمیق''۔ (الحج:۲۷)

حضرت ابراہیم خلیل علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بحکمِ الٰہی جو صدا لگائی ،اُسے اللہ تعالیٰ نے قیامت تک آنے والے مسلمانوں کے لئے بندگی ،عبادت اور اللہ تعالیٰ سے اپنی والہانہ عقیدت ومحبت کے اظہار کا ایک منفرد اور مخصوص طریقہ طے کردیا، جسے حج کہتے ہیں۔

حج کیا ہے؟ اُس کے افعال وارکان کی حکمت وفلسفہ کیا ہے؟ اس کی حقیقت ومعقولیت کا نقطہ کیا ہے؟ صوفیاء کرام نے سفرِ حج کو سفرِ عشق اور ارکانِ حج کو عاشقانہ وارفتگی سے تشبیہ دے کر یہ حکمت وحقیقت سمجھانے کی کوشش کی ہے۔جس طرح عاشقِ زار کے افعال واعمال میں ظاہری معقولیت دیکھنا اور بتانا مشکل ہوتا ہے، اسی طرح افعالِ حج کے ظاہری افعال کی حکمت ومعقولیت سمجھنے اور سمجھانے میں بھی دشواری پیش آسکتی ہے۔فریضۂ حج کے ظاہری افعال واعمال کی حقیقت ومعقولیت کا ادراک کرنے کے لئے عقلِ سلیم ،فطرتِ سلیمہ اور عشقِ حقیقی کا جذبۂ صادق بنیادی شرط ہے، چنانچہ حاجی اپنے آپ اور اپنے حلیہ ولباس کو فراموش کرکے اور راہ کی مشقتوں ،صعوبتوں کو بھلا کر اپنے پروردگار محبوبِ حقیقی کی یاد اور ذکر کے ساتھ زیارت وملاقات کے جذبات سے لبریز ہوکر والہانہ وار اُس کے در پر حاضری

دینے کے لیے بڑھتا چلا جاتا ہے، اور اپنے تمام تر حسیات اور قلبی کیفیات کے ساتھ مرکز تجلیات بیت اللہ پہنچ جاتا ہے، پھر مکہ سے منیٰ کا رُخ کرتا ہے، اور پھر منیٰ سے عرفات جاتا ہے، عرفات سے پھر مزدلفہ آتا ہے اور وہاں سے پھر واپس منیٰ آجاتا ہے۔

یہ آمد و رفت، یہ سرگرداں ہونا، ہر ہر جگہ جا کر اُس ایک خدائے وحدہٗ لاشریک کو پکارنا، اپنی غلطیوں اور کوتاہیوں پر نادم ہونا اور اُسے منانے کے لئے رونا دھونا کہ کسی طرح اپنے محبوبِ حقیقی کو پالے۔ بظاہر اللہ ہمیں اس دنیا میں نظر تو نہیں آسکتا، لیکن اُس کے احکامات کی روشنی میں اُس کی عبادت کر کے اُسے پایا تو جا سکتا ہے۔ اُس نے ہمیں راستے اور طریقے بھی خود بتادیے، ابھی وہاں آؤ اور اس طرح عبادت کر کے مجھے پالو، اور یہ سب کچھ کرنا اسی طریقے سے ہے جیسا رسول اللہ ﷺ نے کیا۔ اب حج کے ان سارے ارکان کو عام دنیوی سوچ اور عقل سے دیکھا جائے تو عجیب سا لگے گا، لیکن یہی اصل حقیقت ہے کہ:

میانِ عاشق و معشوق رمزیست
کراماً کاتبین را ہم خبر نیست

اس شعر سے حج کے فلسفہ کو سمجھا جا سکتا ہے، جو اس رمز کو پالیتا ہے وہی کامیاب ہو جاتا ہے۔ دور سے دیکھنے والوں کو یہ کبھی سمجھ میں نہیں آسکتا۔ کراماً کاتبین سے اس شعر میں فرشتے مراد نہیں ہیں، بلکہ اس سے مراد اُس عاشقانہ کیفیت سے ناآشنا لوگ ہیں، جب تک وہ اس جذبے کے اندر نہ اُتریں وہ اس کو کبھی نہیں سمجھ سکتے۔ جب وہ اس عشقِ حقیقی کے اندر ڈوب جائیں گے تبھی ان کو پتہ چل سکے گا:

أمر على الديار ديار ليلى　　أقبل ذا الجدار وذا الجدارا
وما حب الديار شغفن قلبي　　ولكن حب من سكن الديارا

معشوق کے گھر یعنی خدا اور اس کے راستے سے گذرنے کی بھی ایک راحت اور فضیلت ہے۔ شاعر نے یہی جذبہ اس شعر میں پیش کیا ہے، معشوق کے در و دیوار سے اپنی عقیدت و محبت کا اظہار اور ساتھ ساتھ در و دیوار کی حقیقت کو بھی بیان کیا کہ معشوق کے بغیر اُن کی بذاتِ خود کوئی حیثیت نہیں ہے، جیسے حضرت عمرؓ نے حجرِ اسود کو خطاب کر کے کہا کہ: اے پتھر! میں جانتا ہوں تیری حقیقت کچھ نہیں ہے، اگر میں نے اپنے حبیب ﷺ کو تجھے بوسہ دیتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا تو میں تجھے کبھی بوسہ نہ دیتا۔ ان جگہوں کی وقعت اور حیثیت ان افضل اور مقدس ترین ہستیوں کی وجہ سے ہوئی جو یہاں آئے اور یہاں سے گذرے۔

حج کا جو قافلہ ہوتا ہے یہ عُشاق کا ٹولہ ہوتا ہے، اس کارواں میں بعض حقیقی عاشق ہوتے ہیں اور بعض ظاہری، اسی وجہ سے نوازنے کے اعتبار سے فرق بھی ہوتا ہے، کسی کو خدا ملتا ہے اور کوئی وقت گذاری کر کے خالی ہاتھوں لوٹ جاتا ہے اور اس کی زندگی میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی۔ جو شخص حج کو اس

کی حقیقی روح اور مقصد کے ساتھ ادا کرتا ہے تو گویا وہ خدا کو پالیتا ہے، اُس کی زندگی کی کایا پلٹ جاتی ہے، اور جس کو خدا نہیں ملتا وہ تہی داماں ہوکر واپس آتا ہے، اور جو پالیتا ہے تو وہ گویا معصوم نومولود بچے کی طرح ہوجاتا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

عن ابی هريرة رضی اللّٰه عنه قال :قال رسول اللّٰه ﷺ :مَنْ حَجَّ لله فلم يرفث ولم يفسق رجع كيوم ولدته اُمُّه. (بخاری، ج:۱،ص:۲۱۳، باب فضل الحج المبرور، طبع: الطاف سنز)

ترجمہ: ''حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس نے محض اللہ کی رضا کے لئے حج کیا اور اس حج میں گالم گلوچ نہ کی اور نہ ہی گناہ وفسق وفجور کیا تو وہ (حج کے بعد گناہوں سے پاک صاف ہوکر) ایسے واپس لوٹتا ہے، جیسے آج ہی کے دن اس کی ماں نے اُسے جنا ہو''۔

جیسے رات کے آخری وقت میں اُٹھ کر مانگنا ہے۔ نیک، عبادت گذار، تہجد گذار لوگ رات کے آخری وقت میں اٹھ کر اللہ سے مانگتے ہیں، کیونکہ اس وقت اللہ نے خود کہا ہے: میں اس وقت آسمانِ دنیا پر موجود ہوتا ہوں، قریب ہوتا ہوں۔ اس لئے بندہ جاکر اللہ سے مانگتا ہے، تو ایسے ہی حج کے اندر اللہ نے کہا کہ: میں اس دن فلاں وقت عرفات میں موجود ہوں گا، اور اپنے بندوں کے گناہوں کو معاف کروں گا۔ عاشق حقیقی کو یقین ہوتا ہے کہ: اللہ نے کہا ہے کہ عرفہ کے دن میں میدانِ عرفات میں موجود ہوں گا، چنانچہ حاجی مسجد حرام (جس کی اتنی فضیلت ہے کہ وہاں ادا کی جانے والی ایک نماز کا ثواب ایک لاکھ نماز کے برابر ہے) کی بجائے وہاں پہنچ جاتا ہے۔ حدیث میں آتا ہے، حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

''عرفہ کے دن اللہ تعالیٰ آسمانِ دنیا پر نزول فرماتے ہیں اور پھر فرشتوں کے سامنے حاجیوں پر فخر کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ ذرا میرے بندوں کی طرف تو دیکھو! یہ میرے پاس پراگندہ بال، گردآلود اور لبیک وذکر کے ساتھ آوازیں بلند کرتے ہوئے دور دور سے آئے ہیں، میں تمہیں اس بات پر گواہ بناتا ہوں کہ میں نے اُنہیں بخش دیا۔ یہ سن کر فرشتے کہتے ہیں کہ پروردگار! ان میں فلاں شخص وہ بھی ہے جس کی طرف گناہ کی نسبت کی جاتی ہے اور فلاں شخص اور فلاں عورت وہ بھی ہے جو گناہ گار ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں نے اُنہیں بھی بخش دیا۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ایسا کوئی دن نہیں ہے جس میں یوم عرفہ کے برابر لوگوں کو آگ سے نجات کا پروانہ عطا کیا جاتا ہو''۔

پھر اللہ نے جب حکم دیا کہ عرفات سے مزدلفہ آجاؤ، اب تم مجھے وہاں پاؤ گے تو پھر سب وہاں

پہنچ گئے، پھر اس کے بعد دوبارہ منیٰ واپسی کا حکم دیا کہ اب وہاں کچھ راتیں گذارو۔ منیٰ ''اُمنیات'' (امیدوں) سے ہے، منیٰ میں موجود رہ کر اللہ کو مناتے رہو، اللہ سے امیدیں باندھو۔ منیٰ کا قیام ہمارے لیے ترغیب اور تربیت ہے، دنیا کے ساتھ اپنی تمنائیں اور امیدیں نہ باندھے، دنیا میں اپنی خواہشات کو نہ ڈھونڈھے، غیر اللہ کے ساتھ امیدیں نہ باندھے، بلکہ صرف ایک ذات کو اپنی امید کا مرکز ومحور بنالے، اُس ایک ذات سے مانگے اور دعائیں کرتا رہے اور منیٰ میں رہ کر شیطان کو دھتکارتا رہے اور مارتا رہے۔ ایک طرف اللہ نے منیٰ میں عبادات اور دعاؤں کا حکم دیا، اس کے ساتھ ہی شیطان کو جاکر کنکریاں مارنے کا حکم بھی دیا۔ اگر ان ارکان کو اُن کی صحیح روح اور حقیقت کے ساتھ ادا کیا جائے تو اس کا بہت گہرا اثر انسان کی زندگی پر پڑتا ہے، اور پھر ساری زندگی ان شاء اللہ! اسی طرح وہ شیطان کو دھتکارتا رہے گا اور اللہ سے مانگتا رہے گا۔

یہ ایک عام خیال ہے کہ بس توفیق مل گئی، یہی اصل ہے۔ اسی طرح کہتے ہیں کہ ''بلاوا تو نصیب والوں کا ہوتا ہے'' اب وہ صاحب نصیب توفیق ملنے کے بعد یہ سمجھ بیٹھتا ہے کہ اب میں یہاں آ گیا ہوں، جیسے چاہے وقت گذاروں، سب قبول ہے۔ توفیق یا نصیب کا مل جانا یہ یقیناً سعادت مندی کی علامت ہے، لیکن اس کے ساتھ ساتھ احتیاط اور ڈر بھی ضروری ہے۔ اگر قدر دانی اور شکرِ نعمت ہوگا تو اس توفیق میں مزید اضافہ بھی ہوگا۔ بعض بزرگوں کے بارے میں سنا گیا، وہ فرمایا کرتے تھے کہ: حج سے ڈرنا چاہئے۔ حج سے اس لئے ڈرنا چاہئے کہ اگر آپ حج اس مقصد اور مطلوبہ کیفیت کے ساتھ نہیں کر رہے تو وہ نجات کا ذریعہ بننے کی بجائے سوہانِ روح اور وبالِ جان بن جاتا ہے۔ جو شخص محض شہرت، تفریح، نام وری، ریاکاری اور دکھلاوے کی غرض سے حج کرے گا تو وہ کہاں سے خدا کو پا سکے گا؟!۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

> ''لوگوں پر ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ میری امت کے مال دار سیر وتفریح کے لئے حج کریں گے اور بیچ کے درجہ کے لوگ تجارت کے لئے کریں گے۔ اُن کے علماء اور پڑھے لکھے ریا، شہرت اور نام وری کے لئے کریں گے اور غریب لوگ سوال (مانگنے) کے لئے کریں گے''۔ (القِریٰ: ص ۳۱)

حج کیفیات کے ساتھ ہے، اس لئے دورانِ حج مقصد اور کیفیات کا احساس بار بار ہونا چاہئے، اس کی فکر کرنی چاہئے، لوگ بھول جاتے ہیں۔ شیطان تو ہر وقت انسان کے ساتھ لگا ہوا ہے، وہ اُسے گمراہ کرنے سے کبھی غافل نہیں رہتا۔ لوگ سمجھتے ہیں کہ بس بلاوا آ گیا، توفیق مل گئی تو خوش ہو گئے کہ اب میں یہاں پہنچ گیا ہوں، اب جو کروں جیسے کروں، وہ سب قبول ہے۔ اگر یہ تصور اور سوچ ہے تو یہ

بھی شیطان ہی کا دھوکہ ہے اور شیطان کے انہی حملوں سے بچنا یہ بھی حج کے مقاصد میں سے ایک اہم مقصد ہے۔ دورانِ حج غفلت، بے توجہی اور لاپروائی کی وجہ سے ہم کتنے غیر شرعی کام کرلیتے ہیں: سب سے پہلے حج کو جاندار انسانی تصویروں اور فلموں سے سمجھا جاتا ہے، وہاں پہنچنے کے بعد بھی ٹی وی دیکھتے رہتے ہیں۔ نمازوں کے ادا کرنے میں کوتاہی، جماعت کی پابندی میں کوتاہی، احرام باندھنے کے بعد بجائے تلبیہ وذکرُ اللہ کے غیبت، گناہ، منکرات ومنہیات کا ارتکاب، نامحرم عورتوں سے اختلاط، عورتون کی بے پردگی، بدنظری اور دیگر کئی گناہ حج کے دوران سرزد ہورہے ہیں۔ ان گناہوں کے اثر سے دل کی وہ کیفیت ہوجاتی ہے کہ جو ملنا ہوتا ہے وہ نہیں ملتا۔ یقیناً توفیق اس انسان کو بھی ملی ہے، لیکن یہ گناہوں کے ذریعے اپنی توفیق کو ضائع کرکے محروم ہورہا ہے۔ عبادات کے ذریعے مرتب ہونے والے فوائد وثمرات کی حفاظت کے لئے گناہوں سے بچنا سخت ضروری ہے۔ اگر پرہیز کے ساتھ حج ہوگا تو حج کا فائدہ بھی ظاہر ہوگا۔ اگر گناہ اور منکرات ومنہیات سے پرہیز نہ کیا اور جو توفیق اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملی تھی، اُس کی کما حقہ قدر نہیں کی تو پھر وہ شیطان کے حملوں سے نہیں بچا۔ شیطان کے حملے اسی طرح جاری رہیں گے اور وہ اپنا کام کرتا رہے گا۔

اگر ایک آدمی صاحب استطاعت ہونے کے باوجود فرض حج نہیں ادا کرتا تو یہ ناشکری اور ناقدری ہے۔ گویا عملی طور پر وہ خدا کو اپنی عدمِ احتیاج کا اظہار کررہا ہے کہ مجھے تو آپ کی ضرورت ہی نہیں، حالانکہ اُسے مال واسباب سے جو نوازا گیا تھا وہ اس لئے تھا کہ اب تم میری طرف آجاؤ، لیکن تم نہیں آئے۔ یہ تو اللہ کی مہربانی ہے کہ اس نے صرف صاحب استطاعت پر اور وہ بھی زندگی میں صرف ایک مرتبہ حج فرض کیا ہے، حدیث میں آتا ہے:

"عن علیؓ: من ملک زاداً وراحلةً تبلغه إلی بیت الله الحرام فلم یحج فلا علیه أن یموت یهودیاً أو نصرانیاً" (ترمذی، ج:۱،ص:۱۰۰)

ترجمہ:۔''حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس شخص کے پاس سفرِ حج اور بیت اللہ تک پہنچنے کے لئے سواری کا انتظام ہو اور پھر وہ حج نہ کرے تو کوئی فرق نہیں اس بات میں کہ وہ یہودی ہوکر مرجائے یا نصرانی ہوکر مرے''۔

اسی طرح آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

" من أراد الحج فلیتعجل ". (ابوداؤد، ج:۱،ص:۲۴۲)

ترجمہ:''جس نے حج کا ارادہ کرلیا تو اب اُسے چاہئے کہ وہ جلدی کرے''۔

عام طور پر کہا جاتا ہے کہ جب فرض حج ادا ہوگیا تو اب نفلی حج کی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے بھی اپنی حیاتِ طیبہ میں ایک ہی دفعہ حج کیا۔غور کیا جائے تو یہ بھی خدا کا اُمت پر احسان ہے کہ اس نے صاحب استطاعت پر زندگی میں صرف ایک ہی مرتبہ حج فرض قرار دیا کہ ہاں! اگر ایک دفعہ بھی تم نے حج کر کے اپنے رب کو پالیا اور تمہاری زندگی تبدیل ہوگئی تو یہ بھی تمہارے لئے کافی ہے، ورنہ جس کو اللہ نے ہمیشہ نوازا ہے، اگر وہ کامل زندگی بھی اس راستے میں لگادے اور بار بار حج کرتا رہے تو بھی حق نہیں ادا ہوسکتا، نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

عن عبد اللہؓ قال: قال رسول اللہ ﷺ: تابعوا بين الحج والعمرة فإنهما ينفيان الفقر والذنوب كما ينفي الكير خبث الحديد والذهب والفضة وليس للحجة المبرورة ثواب إلا الجنة. (ترمذی، ج:۱،ص:۱۶۷)

ترجمہ: ''نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: پے در پے حج وعمرے کیا کرو، کیونکہ یہ دونوں فقر اور گناہوں کو اس طرح صاف کر دیتے ہیں جیسے بھٹی لوہے، سونے اور چاندی کے میل کو صاف کر دیتی ہے، اور حج مبرور کا ثواب صرف جنت ہے''۔

یہ بات بھی زبان زدِ عام ہے کہ نفلی حج کی بجائے اس رقم سے کسی غریب اور مستحق کی ضرورت کو پورا کر دیا جائے تو وہ زیادہ بہتر ہے۔اس بات کو خوب اچھی طرح سمجھ لیجئے، ایک مد ہے زکوٰۃ اور صدقاتِ واجبہ، جس کا مستحق ایک غریب اور ضرورت مند ہی ہے، لیکن اس کے ساتھ ساتھ صدقاتِ نافلہ بھی ہیں، مثلاً انسان کا اپنی ذات پر خرچ کرنا، اپنی اولاد واہل وعیال پر خرچ کرنا، کسی کو ہدیہ تحفہ دے دینا، کسی کی دعوتِ طعام کر دینا، کسی ضرورت مند کی ضرورت پوری کرنا اور کوئی کارِ خیر کرنا، یہ تمام صدقاتِ نافلہ ہیں۔صدقاتِ نافلہ میں انسان کو اختیار ہے، دل چاہے تو یہ کرلے اور دل چاہے تو وہ کرلے۔صدقاتِ واجبہ کو صدقاتِ نافلہ کے ساتھ خلط نہیں کرنا چاہئے۔غریب اور ضرورت مند کے لئے تو اللہ نے صاحب نصاب پر ہر سال زکوٰۃ اور صدقۂ فطر فرض کیا ہے، جو صاحب نصاب کو ہر سال اور ہر حال میں ادا کرنا چاہئے۔صاحب استطاعت' نفلی حج، زکوۃ یا صدقاتِ واجبہ کی رقم سے تو ادا نہیں کر رہا اور نہ ہی کرسکتا ہے۔اگر ایک صاحب حیثیت زکوۃ اور صدقات واجبہ ادا کر رہا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ بطورِ صدقۂ نافلہ اللہ کے راستے میں اس کے قرب کی خاطر حج ادا کر رہا ہے تو یہ بھی شریعت کے تقاضے کے مطابق ہے۔صدقاتِ نافلہ میں انسان جہاں بھی خرچ کرے وہ کارِ خیر ہے اور ایک کارِ خیر کو دوسرے پر وقتی حالات اور ضرورت کے پیشِ نظر ترجیح تو دی جاسکتی ہے، لیکن کسی ایک ہی کو افضل سمجھ لینا یا ان کارہائے خیر میں باہمی تقابل کرنا یہ مناسب نہیں ہے۔بسا اوقات یہ شیطان کا دھوکہ

بھی ہوتا ہے کہ انسان یہ سوچتا ہے کہ فلاں نیک کام ابھی نہیں کرنا، بعد میں کرلوں گا، ابھی کوئی دوسرا نیک کام کرلیتا ہوں، پہلا کارِخیر مؤخر کردیا اور اس کا وقت گذر گیا اور دوسرا نیک کام جس کا ارادہ کیا تھا پھر وہ بھی نہ کرسکا، چنانچہ اس سوچ کی وجہ سے وہ کارِخیر سے ہی محروم ہوجاتا ہے۔

ایک بات یہ بھی ہے کہ زکوۃ یا صدقاتِ واجبہ مالی عبادات کی قبیل سے ہیں، جبکہ حج مالی اور جانی دونوں قسم کی عبادت ہے۔ بسااوقات تن آسانی کے لئے بھی شیطان اس طرح ورغلاتا ہے، کیونکہ حج دراصل مشقت کا نام ہے۔ ہزاروں سہولیات واسباب بڑھنے کے باوجود آج تک وہ مشقت ہر دور کے اعتبار سے برقرار ہے۔ یہ مشقتیں بھی حج کے اجر کو بڑھاتی ہیں۔ نبی اکرم ﷺ نے حج قران ادا فرمایا تھا، یعنی ایک سفر اور ایک احرام کے اندر دو عبادتوں کو جمع کرنا، اس میں مشقت بھی زیادہ ہے اور ثواب بھی زیادہ ہے، اسی لئے امام ابوحنیفہؒ نے قران کو افضل کہا ہے۔ غرض تن آسانی کی وجہ سے بھی یہ دھوکہ ہوجاتا ہے۔

اکثر لوگوں کی سوچ یہ ہوتی ہے کہ حج تو بڑھاپے کی عبادت ہے، ابھی جوان ہیں، جب گناہوں سے مکمل توبہ کرلیں گے تب جاکر حج کریں گے۔ تو یہ بھی درحقیقت شیطان ہی کا دھوکہ ہے، گویا کہ اس سوچ اور فکر سے یہ بات طے کرلی ہے کہ ہم نے ابھی مزید گناہ کرنے ہیں۔ یہ سوچ بذات خود بہت بڑا گناہ ہے کہ اس نیت سے اپنے آپ کو حج فرض سے روک لیا۔ جب حج کو اس کی حقیقی روح، مطلوبہ کیفیات اور مقاصد کے ساتھ گناہوں سے بچتے ہوئے اور خالص توبہ کرتے ہوئے ادا کیا جائے تو یقیناً ان شاء اللہ! سابقہ گناہ بھی معاف ہوجائیں گے اور آئندہ زندگی بدل جائے گی۔ حج مبرور کہتے ہی اس کو ہیں کہ جس سے زندگی تبدیل ہوجائے۔ پھر اگر نیت خالص ہوگی اور انسان بالارادہ و بالاختیار گناہوں سے بچے گا تو اللہ تعالیٰ بھی اُسے گناہوں سے بچنے کی توفیق دیں گے۔ جس کی یہ سوچ ہے کہ حج بڑھاپے کی عبادت ہے تو گویا اس نے حج کا فلسفہ ہی نہیں سمجھا۔

حج جیسے عظیم الشان اجر وثواب اور فضیلت کے باوجود کتنے لوگ ایسے ہیں جن پر حج فرض ہے، لیکن وہ فریضۂ حج کی ادائیگی کے لئے نہیں جاتے۔ کوئی بیوی بچوں کی تنہائی کا بہانہ بناتا ہے تو کوئی روپے پیسے اور مال ودولت کے خرچ پر نکتہ چینی کرتا ہے۔ کوئی دکان اور کاروبار کے اُجڑ جانے کا اندیشہ ظاہر کرتا ہے تو کوئی بیٹوں اور بیٹیوں کی شادی کا ہمالیہ کھڑا کردیتا ہے اور کوئی طویل صعوبتوں اور مشقتوں سے خوف زدہ نظر آتا ہے۔ یہ سب اندیشے، وسوسے، خیالات اور توہمات اُنہیں لوگوں کا حصہ اور نصیب ہیں جن کے دل ودماغ عشق الٰہی سے خالی اور بیت اللہ کی عظمت وبرکات سے بے بہرہ ہیں، ورنہ کون کلمہ گو انسان ایسا ہوگا جو انوارات وتجلیات کے اس عظیم ترین مرکز اور بے بہار رحمتوں اور برکتوں کے خزانہ سے دور رہنا گوارہ کرسکے؟ فاعتبروا یا أولی الأبصار.

ایک ضروری وضاحت!

ادارہ بینات سے گذشتہ سال حضرت مولانا ادریس میرٹھیؒ کا تحریر کردہ مقالہ ایک کتابچہ کی صورت میں ''اسلامی معاشیات'' کے نام سے شائع ہوا۔ اس حوالے سے ادارہ ایک وضاحت کرنا ضروری سمجھتا ہے جس کی تفصیل کچھ پس منظر کے ساتھ یہ ہے کہ ۲۵ / مارچ ۱۹۶۹ء کو اکابر علماء حق کا ایک اجتماع منعقد ہوا، جس میں دیگر اہم مباحث کے علاوہ ملک کی معاشی سنگین صورتِ حال پر بھی بحث وتمحیص اور غور وخوض ہوا، اجتماع میں طے پایا کہ معاشیات پر ایک اسلامی خاکہ تیار کیا جائے، چنانچہ اس غرض سے ایک ''مجلس تحقیقِ مسائل حاضرہ'' تشکیل دی گئی، جس کے ارکان میں حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ، حضرت علامہ سید محمد یوسف بنوریؒ، حضرت مولانا مفتی محمودؒ، حضرت مولانا مفتی ولی حسن ٹونکیؒ، مفتی رشید احمد لدھیانویؒ نور اللہ مراقدہم اور ایک قانونی مشیر ایڈووکیٹ جناب محمد اقبال صاحب تھے۔ اس ''مجلس تحقیق مسائل حاضرہ'' کا اجلاس حضرت علامہ سید محمد یوسف بنوریؒ کی دعوت پر مدرسہ عربیہ اسلامیہ کراچی (حال جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن) میں منعقد ہوا۔ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع قدس سرہ کی علالت کی بنا پر آپؒ کی نیابت آپ کے صاحبزادگان حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی دامت برکاتہم اور حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم نے فرمائی۔

اس ''مجلس تحقیق مسائل حاضرہ'' کے اراکین نے دس دنوں کی محنتِ شاقہ اور جہدِ مسلسل کے بعد مزارعت، احیائے موات اور زمین کے مسائل سے متعلق ایک اسلامی خاکہ تیار کرلیا اور استصواب رائے کے لئے اُسے ملک کے جید علماء کرام کے پاس بھیجا گیا اور پابندی لگائی گئی کہ فی الحال اس کو عام شائع نہ کیا جائے۔ کچھ حضرات نے اس کی خلاف ورزی کرتے ہوئے اُسے شائع کردیا، جس پر حضرت بنوریؒ نے اپنی ناراضی اور ناگواری کا اظہار فرمایا۔

چونکہ اس مجلس کے پیشِ نظر یہ تھا کہ اس موضوع پر مستقل ایک مستند کتاب مدون کی جائے گی، لیکن کچھ حالات کی نزاکت اور کچھ شرکائے مجلس کے متعدد مشاغل کی بنا پر کتاب کے مختلف ابواب تجویز کرکے بقیہ شرکائے مجلس میں تقسیم کئے گئے، تاکہ اس کتاب کی تدوین اور تکمیل میں آسانی ہو۔

''مجلس تحقیق مسائل حاضرہ'' کے اراکین کے اسمائے گرامی مندرجہ ذیل تھے:

۱- حضرت مولانا مفتی ولی حسن ٹونکیؒ، مدرسہ عربیہ اسلامیہ کراچی۔ (حال جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی)

۲- حضرت مولانا محمد ادریسؒ، مدرسہ عربیہ اسلامیہ کراچی۔ (حال جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی)

۳- حضرت مولانا مفتی رشید احمدؒ، جامعہ اشرف المدارس کراچی۔

۴- حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم، جامعہ دار العلوم کراچی۔

ان اراکین پر مشتمل ''مجلس تحقیقِ مسائل حاضرہ'' کا پھر کوئی اجتماع منعقد نہ ہوسکا، اس کے بعد جس نے بھی اس موضوع پر کام کیا، اس نے انفرادی حیثیت سے ہی کام کیا، جیسے محدث العصر حضرت بنوری رحمہ اللہ کی راہنمائی وہدایت پر حضرت مولانا محمد ادریس میرٹھیؒ نے اسلامی معیشت کے عنوان پر ایک بہترین اور عمدہ مقالہ تحریر فرمایا جو ماہنامہ ''بینات'' میں سات اقساط میں شائع ہوا۔ اسی طرح اس مجلس کے مقتدر شرکاء میں سے بعض دیگر اہل علم نے بھی بعد میں اپنے طور پر انفرادی حیثیت میں کام کیا، جیسے حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم العالیہ نے اپنے والد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ کے زیر ہدایت اس موضوع پر کچھ کام کیا۔

آمدم برسر مطلب! حضرت مولانا محمد ادریس میرٹھیؒ نے ''اسلامی معاشیات'' کے عنوان سے جوگراں قدر مقالہ قلم بند فرمایا تھا اور اُسے ماہنامہ ''بینات'' میں سات اقساط میں شائع کیا گیا، جسے بعد میں ''ادارہ بینات'' نے ''اسلامی معاشیات، بنیادی خاکہ، نتیجہ فکر: مجلس تحقیق مسائل حاضرہ'' کے نام سے طبع کرایا اور اس کے پیش لفظ میں مذکورہ بالا صورتِ حال (علمائے کرام کا اجتماع، مجلس تحقیق مسائل حاضرہ کی تشکیل، اس کے اراکین کے نام، وغیرہ) حضرتؒ علامہ سید محمد یوسف بنوری قدس سرہ اور حضرت مولانا محمد ادریس میرٹھیؒ کی تحریروں کے اقتباسات سے نقل کی گئی، جس سے یہ تأثر جھلکا کہ شاید یہ کتاب وہی منظور شدہ ''ابتدائی خاکہ'' ہے جس کی طرف حضرت بنوری رحمہ اللہ کی تحریر کے مندرجہ ذیل اقتباس میں اشارہ ہے:

''ایک مختصر خاکہ تیار کیا گیا تھا، جس کی حیثیت بھی صرف استفتاء ہی کی ہوسکتی ہے، نہ اس کی کتابی تدوین وترتیب تھی، نہ وہ آخری رائے تھی، بلکہ ناتمام

خاکہ تھا جو سائیکلو سٹائل کر کے شائع کیا گیا تھا، تاکہ اسے علماء کے پاس بھیجا جا سکے اور اس کی اشاعت کی غرض بھی یہی تھی۔ لیکن خود غرض حضرات نے اس کو آخری فیصلہ سمجھا، اس سے اپنا اُلّو سیدھا کرنے کی کوشش کرنے لگے۔ یہ جلد بازی ہے......''۔

اس اقتباس سے واضح ہوا کہ حضرت بنوریؒ اس ابتدائی خاکے کی اشاعت کے حق میں نہ تھے، جس کی بہرحال پابندی ''ادارہ بینات'' نے اب تک کی ہے، اسی لئے اس نا تمام خاکے کو اس کتاب کا حصہ بھی نہیں بنایا گیا۔ ہاں یہ بات ضرور ہے کہ حضرت مولانا محمد ادریس میرٹھی نور اللہ مرقدہٗ اس ''مجلس تحقیقِ مسائل حاضرہ'' کے فعال رکن اور اس مجلس کی کارروائی اور روئیداد کے ضبط کرنے والے تھے اور انہوں نے اس مقالہ میں جو نتیجۂ فکر پیش کیا ہے، اُس کے خدوخال اور راہنما اصول بالکل وہی تھے جو اس ''مجلس تحقیقِ مسائل حاضرہ'' کے پیش نظر تھے اور حضرت بنوریؒ نے اس مجلس کے اراکین میں جو کام تقسیم کیا تھا، اس میں بھی حضرت میرٹھیؒ کے ذمہ اس بنیادی خاکہ کی روشنی میں ''اسلامی معاشیات'' پر مقالہ تیار کرنا تھا۔ اس اعتبار سے اس کتاب کو اکابر کا فقہی منہج قرار دینا یا اسلامی معیشت پر بنیادی خاکہ، یا نتیجہ فکر: ''مجلس تحقیق مسائل حاضرہ'' کہنا بھی کچھ بے جا نہ ہوگا۔

لیکن بہرحال ''ادارہ بینات'' ریکارڈ کی درستگی کے لئے یہ وضاحت کرتا ہے کہ یہ کتاب ''مجلس تحقیق مسائل حاضرہ'' کا مرتب کردہ مذکورہ بالا ابتدائی خاکہ نہیں ہے، بلکہ یہ کتاب حضرت مولانا محمد ادریس میرٹھی نور اللہ مرقدہ کے اس مقالہ پر مشتمل ہے جو ماہنامہ ''بینات'' میں سات اقساط میں شائع ہوا ہے، واللہ اعلم بالصواب۔

وصلّی اللّٰہُ تعالیٰ علیٰ خیر خلقه سیدنا محمد وعلی آله وصحبه أجمعین

☆☆☆

شامتِ اعمال

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ

حق تعالیٰ شانہٗ نے انسان کی سعادت وشقاوت کو اس کے اعمال سے وابستہ فرمایا ہے، ہر عمل پر اس کے مناسب ردِّ عمل کا ظہور ہوتا ہے۔ بندوں کے جس قسم کے اعمال آسمان پر جائیں گے، اُنہی کے مناسب اُن کے حق میں آسمان سے فیصلے صادر ہوں گے۔ اعمالِ خیر پر خیر کے فیصلے آئیں گے اور اعمالِ شر پر دوسری نوعیت کے فیصلے ہوں گے۔ انفرادی اعمال پر افراد کے بارے میں شخصی فیصلے ہوں گے اور اجتماعی اعمال پر مجموعی طور پر قوم یا طبقہ کے بارے میں فیصلے ہوں گے۔

اعمال کے ثمرات ونتائج دنیا میں بھی رونما ہوتے ہیں اور آخرت میں بھی ہوں گے۔ اچھے اعمال پر جس طرح اخروی سعادت مرتب ہوتی ہے، اسی طرح دنیا میں سعادت وکامرانی نصیب ہوتی ہے۔ اور گندے اعمال پر آخرت کی شقاوت وخسران کے ساتھ ساتھ دنیا میں بھی عذاب کی شکلیں نمودار ہوتی ہیں۔ نیک وبد اعمال کے پورے نتائج کا ظہور تو آخرت میں ہوگا، کیونکہ کامل جزا وسزا کے لئے قیامت کا دن تجویز فرمایا گیا ہے، لیکن بطورِ نمونہ کچھ نتائج یا کم سے کم ان نتائج کی ہلکی سی جھلک، دنیا میں بھی رونما ہوتی ہے، تاکہ معاملہ یکسر اُدھار پر نہ رہے، بلکہ کچھ تھوڑا سا نقد بھی دے دیا جائے۔

ہمارے یہاں جزا وسزا کے تصور میں دو غلطیاں بہت عام ہوگئی ہیں، قریباً سبھی عوام وخواص الا ماشاء اللہ! ان میں مبتلا نظر آتے ہیں:

ایک: یہ کہ اچھے بُرے اعمال کے نتائج قیامت میں ظاہر ہوں گے، اُسی وقت جزا وسزا بھی ہوگی۔ ہماری اس دنیوی زندگی کو نیک وبد اعمال کی جزا وسزا سے کوئی تعلق نہیں۔ اس زندگی میں نیک وبد اعمال پر کوئی نتیجہ مرتب نہیں ہوتا، نہ یہاں کسی کو اپنے کئے کی جزا یا سزا ملتی ہے۔

دوم: یہ کہ آخرت کی جزا وسزا پر اگرچہ ایمان ہے، لیکن خواہشات کے غلبہ وتسلط، غفلت

آمیز ماحول کی تاریکی اور دنیوی لذات کی حلاوت وشیرینی نے آخرت کی جزاوسزا کے تصور کو بہت ہی دھندلا اور مضمحل کردیا ہے۔ اس کا استحضار ہی نہیں رہتا کہ جو اعمال ہم اپنے نامۂ عمل میں درج کرا رہے ہیں، قیامت کے دن اُن کے ایک ایک ذرّہ کا حساب بھی دینا ہوگا:

''فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ، وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ''۔ (الزلزال:۷،۸)

ترجمہ:...... ''سو جو شخص (دنیا میں) ذرہ برابر نیکی کرے گا، وہ (وہاں) اس کو دیکھ لے گا اور جو شخص ذرہ برابر بدی کرے گا، وہ اس کو دیکھ لے گا''۔ (ترجمہ حضرت تھانویؒ)

اور جن گناہوں کا بوجھ ہم آج لادرہے ہیں، کل اُسے خود اپنی ناتواں کمر پر اٹھانا ہوگا:

''وَهُمْ يَحْمِلُوْنَ أَوْزَارَهُمْ عَلٰى ظُهُوْرِهِمْ أَلَاسَاءَ مَا يَزِرُوْنَ''۔ (الانعام:۳۱)

ترجمہ:...... ''اور حالت ان کی یہ ہوگی کہ وہ اپنے بار اپنی کمر پر لادے ہوں گے۔ خوب سن لو! کہ بری ہوگی وہ چیز جس کو لادیں گے''۔ (ترجمہ حضرت تھانویؒ)

ہمارے طرزِ زندگی سے ایسا لگتا ہے کہ آخرت کی جزاوسزا کا ہمارے دنیوی اعمال سے کوئی ربط وتعلق نہیں، آخرت کا معاملہ اس دنیا سے یکسر بے تعلق ہے، ہم خواہ کیسے ہی عمل کرتے رہیں، ہم سے کوئی باز پُرس نہیں ہوگی، اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہیں، خود ہی معاف فرمادیں گے۔ ظاہر ہے کہ غفلت کی یہ کیفیت ہماری کھلی حماقت ہے، حدیث شریف میں ارشاد ہے:

''الكيّس من دان نفسه وعمل لما بعد الموت والعاجز من أتبع نفسه هواها وتمنىٰ على الله''۔ (مشکوٰۃ، ص:۴۵۱)

ترجمہ:...... ''ہوشیار اور عقلمند تو وہ ہے جس نے اپنے نفس کو رام کرلیا اور موت کے بعد کی زندگی کے لئے عمل کیا اور احمق ہے وہ شخص جس نے نفس کو اس کی خواہشات کے پیچھے لگادیا اور اللہ تعالیٰ پر آرزوئیں دھریں''۔

الغرض ان دو غلطیوں میں مبتلا ہونے کی وجہ سے ہم اصلاحِ اعمال کی فکر سے بے نیاز ہیں، نہ اصلاحِ دنیا کے لئے اصلاحِ اعمال کی فکر ہے اور نہ اصلاحِ آخرت کے لئے۔

حکیم الامت حضرت اقدس تھانوی نور اللہ مرقدہٗ نے ان ہی دو غلطیوں کی اصلاح کے لئے رسالہ ''جزاء الاعمال'' تالیف فرمایا تھا، اس کی تمہید میں فرماتے ہیں:

''یہ ناچیز ناکارہ اپنے دینی بھائیوں کی خدمت میں عرض رساں ہے کہ اس وقت میں جو حالت ہم لوگوں کی ہے کہ طاعت میں کاہلی وغفلت اور معاصی میں انہماک وجرأت وہ ظاہر ہے۔ جہاں تک غور کیا گیا، اس کی بڑی وجہ یہ معلوم ہوئی کہ اعمال حسنہ وسیئہ کی پاداش صرف آخرت میں سمجھتے ہیں، اس کی ہرگز خبر

تک نہیں کہ دنیا میں بھی اس کا کچھ نتیجہ مرتب ہوتا ہے اور غلبۂ صفاتِ نفس کے سبب دنیا کی جزا وسزا پر چونکہ وہ سردست واقع ہوجاتی ہے، زیادہ نظر ہوتی ہے۔ پھر عالم آخرت میں بھی جزا وسزا کے وقوع کو گوعقیدۃً ان اعمال کا ثمرہ جانتے ہیں، مگر واقعی بات یہ ہے کہ جو علاقۂ قوی مؤثر واثر میں اور سبب ومسبب میں سمجھنا چاہئے اور اسباب ومسببات دنیویہ میں سمجھتے ہیں، وہ علاقہ اس قوت کے ساتھ اعمال اور ان کے ثمراتِ آخرت میں ہرگز نہیں سمجھتے، بلکہ قریب قریب اس طرح کا خیال ہے کہ گویا اس عالم کے واقعات کا ایک مستقل سلسلہ ہے، جس کو چاہیں گے پکڑ کر سزا دے دیں گے، جس کو چاہیں گے خوش ہوکر نعمتوں سے مالا مال کردیں گے۔ اعمال کو گویا اس میں کچھ دخل ہی نہیں ہے۔

(فائدہ: کوئی شخص یہ شبہ نہ کرے کہ اعمال کا دخل نہ ہونا تو صحیح حدیث سے بھی معلوم ہوتا ہے، جس میں آپ ﷺ نے یہ فرمایا ہے کہ کوئی شخص عمل کے زور سے جنت میں نہ جاوے گا، انتہی۔ دفعیہ اس شبہ کا یہ ہے کہ اس حدیث کا یہ مطلب نہیں ہے کہ عمل کو بالکل دخل ہی نہیں ہے، بلکہ مقصود یہ ہے کہ عمل پر مغرور ہوکر نہ بیٹھ جاوے۔ جزوِ اخیر علت تامہ کا اللہ تعالیٰ کا فضل ہے، وبس! گویا یہ فضل بھی اعمالِ نیک سے نصیب ہوتا ہے، سو عمل ہی علت تامہ کا ایک جز ٹھہرا۔ قال اللہ تعالیٰ: ”إِنَّ رَحْمَةَ اللهِ قَرِيبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِينَ“۔ انتہی)

حالانکہ یہ خیال بے شمار آیات واحادیث صحیحہ کے خلاف ہے، چنانچہ عنقریب تفصیلاً معلوم ہوتا ہے، انشاء اللہ تعالیٰ!۔ اس لئے اس مرض کے دفع کرنے کے لئے دو امر ضروری خیال میں آئے:

اول: کتاب وسنت وملفوظاتِ محققین سے یہ دکھلا دیا جائے کہ جیسے آخرت میں اعمال پر جزا وسزا واقع ہوگی، ایسے دنیا میں بھی بعض آثار ان کے واقع ہوئے ہیں۔

دوسرے: یہ ثابت کردیا جائے کہ اعمال میں اور ثمراتِ آخرت میں ایسا قوی علاقہ ہے، جیسا آگ جلانے میں اور کھانا پکانے میں یا کھانا کھانے میں اور شکم سیر ہوجانے میں یا پانی چھڑکنے میں اور آگ کے بجھ جانے میں۔ ان دونوں امروں کے ثبوت کے بعد اللہ تعالیٰ کے فضل سے امید قوی ہے کہ کہ سردست جزا اور سزا ہوجانے کے یقین سے اور اسی طرح کارخانۂ دنیا پر کارخانۂ آخرت کے مرتب ہونے کے غلبۂ اعتقاد سے طاعات میں رغبت اور معاصی سے نفرت پیدا ہوجانا سہل ہے۔ آئندہ توفیق وامداد حق تعالیٰ سبحانہ

وتعالیٰ کی جانب سے ہے‘‘۔

قرآن کریم کی آیات بینات اور آنحضرت ﷺ کے ارشادات طیبہ میں اعمال کے دنیوی نتائج بہ کثرت مذکور ہیں، آج کی صحبت میں اس سلسلہ کی ایک حدیث ذکر کی جاتی ہے۔

مؤطا امام مالکؒ ’’کتاب الجهاد باب ماجاء فی الغلول ‘‘ میں حضرت ابن عباسؓ کا ارشاد نقل کیا ہے:

’’ما ظهر الغلول فی قوم قط إلا ألقی فی قلوبهم الرعب ولا فشیٰ الزنا فی قوم إلا كثر فيهم الموت ولانقص قوم المكيال والميزان إلا قطع عنهم الرزق، ولاحكم قوم بغير الحق إلا فشیٰ فيهم الدم، ولاختر قوم بالعهد إلا سلط عليهم العدو‘‘۔ (مؤطا امام مالک، ص:۶۴۷، مؤطا امام محمد، ص:۳۶۹)

ترجمہ:......’’جس قوم میں خیانت عام ہوجاتی ہے، اس کے دل میں رعب ڈال دیا جاتا ہے۔ اور جس قوم میں زنا عام ہوجاتا ہے، ان میں اموات کثرت سے واقع ہونے لگتی ہیں۔ جو قوم ناپ تول میں کمی کرتی ہے، ان کا رزق بند کردیا جاتا ہے۔ جو حق کے خلاف فیصلے کرتی ہے، اس میں خونریزی عام ہوجاتی ہے اور جو قوم عہد شکنی کرتی ہے، ان پر دشمن کا تسلط ہوجاتا ہے‘‘۔

اس حدیث میں جن پانچ گناہوں کے پانچ ہولناک نتائج ذکر کئے گئے ہیں، آج کا معاشرہ پوری طرح اُن کی لپیٹ میں ہے۔

۱......غلول: مال غنیمت میں خیانت کرنے کو کہتے ہیں اور کبھی اس کا اطلاق مطلق خیانت پر بھی آتا ہے، جس کے مقابلہ میں دیانت داری اور امانت کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ ’’امانت‘‘ اور ’’ایمان‘‘ قرین ہیں اور خیانت ایمان کی ضد ہے۔

حضرت انس بن مالکؓ خادم رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

’’قلما خطبنا رسول الله ﷺ إلا قال لا إيمان لمن لا أمانة له ولادين لمن لا عهد له‘‘۔ (مشکوۃ، ص:۱۵)

ترجمہ:......’’بہت کم ایسا ہوا ہوگا کہ آنحضرت ﷺ نے ہمیں خطبہ دیا ہو اور اس میں یہ نہ فرمایا ہو کہ ایمان ہی نہیں اس شخص کا جس کے لئے امانت نہیں اور دین ہی نہیں اس شخص کا جس کو اپنے عہد کا پاس نہیں‘‘۔

دوسرے نصوص کے پیش نظر یہ حدیث اور اس نوعیت کی دیگر احادیث مؤوّل ہیں، یعنی

اہل علم کے نزدیک ان میں اصل ایمان کی نفی نہیں، بلکہ کمالِ ایمان کی نفی مقصود ہے۔ تاہم بظاہر اس سے ایمان و خیانت کے درمیان جو ضدیت مفہوم ہوتی ہے، اس کو نمایاں کرنا مقصود ہے۔ الغرض ایمان دار معاشرہ خائن نہیں ہوتا اور نہ خائن معاشرہ اسلامی معاشرہ کہلانے کا مستحق ہے۔ لیکن ہمارے معاشرے میں امانت و دیانت نام کی کوئی چیز ڈھونڈنے کو بھی نہیں ملتی، اِلا ماشاءاللہ!۔ زندگی کا کونسا شعبہ ہے جس میں خیانت و بددیانتی سرایت نہ کرگئی ہو؟ اور نجی اداروں یا سرکاری محکموں میں کونسا ادارہ اور کونسا محکمہ ایسا ہے جو اس گندگی سے محفوظ ہو؟ گذشتہ دنوں وفاقی محتسب کا بیان اخبارات میں شائع ہوا تھا کہ:

''اب تک قومی بچت کے ادارے میں فراڈ کے ۷۹ واقعات ہو چکے ہیں اور کراچی کے ایک واقعہ میں غبن کی گئی رقم تین کروڑ سے زائد ہے اور ابھی جن کیسوں کو نمٹانا باقی ہے، ان کی تعداد ایک سو سے متجاوز ہے''۔

(روزنامہ جنگ، کراچی ۸؍جولائی ۱۹۸۷ء)

یہ صرف ایک ادارے کے اُن واقعات کے اعداد وشمار ہیں جن کی شکایت وفاقی محتسب تک پہنچ سکی ہے۔ اس سے ہمارے معاشرے میں دیانت وامانت کے معیار کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

''قیاس کن زِ گلستانِ من بہارِ مُرا''

آج کل اخبارات میں اینٹی کرپشن کمیٹی کے چیئرمین کے بڑے دھواں دار بیانات اخبارات میں آرہے ہیں۔ خدا کرے یہ کمیٹی صورت حال کی اصلاح میں کسی حد تک کامیاب ہوجائے اور دیگر بہت سی کمیٹیوں اور اداروں کی طرح یہ خود ہی کرپشن کا شکار نہ ہوجائے۔

اسی بڑھی ہوئی خیانت وبددیانتی کا نتیجہ ہے کہ امن وامان مفقود ہے، ہر شخص پر خوف وہراس کی کیفیت طاری ہے۔ اس بدامنی سے نہ گھر محفوظ ہیں، نہ سڑکیں، نہ بازار، نہ دفاتر، نہ کالج، نہ جامعات، نہ مدارس، نہ مساجد۔إنا للہ وإنا إلیہ راجعون۔

اس بددیانتی وخیانت کی فراوانی کا اصل سبب یہ ہے کہ کسی شخص کا کسی عہدہ ومنصب کے لئے انتخاب کرتے ہوئے اس کی تعلیم، سند اور ڈگری کو (یا پھر سفارش ورشوت کو) معیار بنایا جاتا ہے۔ یہ دیکھنے کی ضرورت محسوس نہیں کی جاتی کہ اس شخص کے دین ودیانت اور ایمان وامانت کا معیار کیا ہے؟

۲...... حدیث کا دوسرا فقرہ یہ ہے کہ جس قوم میں زنا عام ہوجاتا ہے، اس میں اموات بہ کثرت واقع ہوتی ہیں۔ زنا کے عام ہوجانے میں اُس کے اسباب کو بڑا دخل ہے۔ ہمارے

معاشرے میں زنا کے اسباب اس قدر عام ہیں کہ بھلے زمانوں میں اُن کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ عورتوں کی بے حجابی وعریانی، لڑکوں، لڑکیوں کی مخلوط تعلیم، مرد وزن کا بے حجابانہ اختلاط، ہر شعبۂ زندگی میں مرد وعورت کے دوش بدوش چلنے اور چلانے کا جنون، رومانی فلمیں اور فیچر، ہیجان انگیز گانے اور نغمے...... الغرض اسبابِ زنا کا ایک طوفان ہے، جس میں قوم گلے گلے تک ڈوب رہی ہے اور اس طوفان کی قوت وشدت روز افزون ہے۔ اس طوفان کو دیکھ کر نوجوان نسل بزبانِ حال یہ کہہ رہی ہے:

درمیانِ قعرِ دریا تختہ بندم کردہ ای
باز می گوئی کہ دامن تر مکن ہوشیار باش!

سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ نوخیز نسل جس کو صنف مخالف سے اختلاط کی تمام سہولتیں حاصل ہوں اور اس اختلاط کی راہ میں اُن پر کوئی پابندی عائد نہ ہو، اُس سے یہ توقع کیسے کی جا سکتی ہے کہ وہ اپنی عفت وعصمت کو آلودگی سے بچانے میں کامیاب ہوجائے؟!۔ **لاعاصم الیوم من أمر اللہ إلا من رحم۔**

ستم بالائے ستم یہ ہے کہ ناخدایانِ قوم کو نسل جدید کی ان مشکلات کا کوئی احساس نہیں اور نہ اُسے اس طوفانِ نوح سے بچانے کے لئے کوئی تدبیر کبھی زیرِ غور آتی ہے۔ بلکہ بہت سے قلم، جن کی آواز مؤثر ہے اور جو مسکین خود بادۂ جنسیت کے میگسار ہیں، وہ ''آزادیٔ نسواں'' کا علم اٹھائے، اس صورت حال کو مزید سنگین بنانے میں مصروف ہیں۔ چند بڑے گھرانے کی ''بیگمات'' ان کی آلۂ کار ہیں اور ناخدایانِ قوم ان بیگمات کے اشارۂ چشم وابرو پر رقص کرنے کو عین سعادت اور ''صحیح خدمت اسلام'' سمجھتے ہیں۔ انصاف فرمایئے! کیا یہ کسی اسلامی معاشرہ کے خطّ وخال ہیں؟ اور جو معاشرہ اس طرح ''جنسی وبا'' کی لپیٹ میں آجائے، اس میں نت نئے امراض کا ظہور اور کثرتِ اموات کا وقوع اس صورت حال کا فطری نتیجہ ہے۔

۳...... حدیث کا تیسرا فقرہ ہے کہ جو قوم ناپ تول میں کمی کرتی ہے، وہ رزق کی بندش کے عذاب میں مبتلا ہوجاتی ہے۔ ''ناپ تول میں کمی'' کا مفہوم عام ہے کہ جس مقدار کی تعیین کے لئے جو پیمانہ مقرر ہے، اُسے پورا نہ کیا جائے اور صاحب حق کا حق پورا ادا نہ کیا جائے۔ حضرت اقدس مفتی محمد شفیعؒ ''معارف القرآن'' میں لکھتے ہیں:

> ''قرآن وحدیث میں ناپ تول میں کمی کرنے کو حرام قرار دیا ہے، کیونکہ عام طور سے معاملات کا لین دین انہی دو طریقوں سے ہوتا ہے۔ انہی کے ذریعہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ حق دار کا حق ادا ہوگیا یا نہیں، لیکن یہ معلوم ہے کہ مقصود اس

سے ہر ایک حق دار کا حق پورا پورا دینا ہے، اس میں کمی کرنا حرام ہے۔ تو معلوم ہوا کہ یہ صرف ناپ تول کے ساتھ مخصوص نہیں، بلکہ ہر وہ چیز جس سے کسی کا حق پورا کرنا یا نہ کرنا جانچا جاتا ہے، اس کا یہی حکم ہے، خواہ ناپ تول سے ہو یا عدد شماری سے یا کسی اور طریقے سے، ہر ایک میں حقدار کے حق سے کم دینا بحکم تطفیف حرام ہے۔

مؤطا امام مالک میں ہے کہ حضرت عمر بن خطابؓ نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ نماز کے رکوع سجدے وغیرہ پورے نہیں کرتا، جلدی جلدی نماز ختم کر ڈالتا ہے تو اس کو فرمایا: ''لقد طففت'' یعنی تو نے اللہ کے حق میں تطفیف کر دی۔ حضرت فاروق اعظمؓ کے اس قول کو نقل کر کے حضرت امام مالکؒ نے فرمایا: ''لكل شيء وفاء وتطفيف'' یعنی پورا حق دینا یا کم کرنا ہر چیز میں ہے۔ یہاں تک کہ نماز، وضو، طہارت میں بھی اور اسی طرح حقوق اللہ اور عبادات میں کمی کوتاہی کرنے والا تطفیف کرنے کا مجرم ہے۔ اسی طرح حقوق العباد میں جو شخص مقررہ حق سے کم کرتا ہے، وہ بھی تطفیف کے حکم میں ہے۔ مزدور، ملازم نے جتنے وقت کی خدمت کا معاہدہ کیا ہے، اس میں سے وقت چُرانا اور کم کرنا بھی اس میں داخل ہے۔ وقت کے اندر جس طرح محنت سے کام کرنے کا عرف میں معمول ہے، اس میں سستی کرنا بھی تطفیف ہے۔ اس میں عام لوگوں میں، یہاں تک کہ اہل علم میں بھی غفلت پائی جاتی ہے، اپنی ملازمت کے فرائض میں کمی کرنے کو کوئی گناہ ہی نہیں سمجھتا۔ أعاذنا الله منه''۔ (معارف القرآن، ج:۸، ص:۶۹۳، ۶۹۴)

''ناپ تول میں کمی'' اور حقوق ادا کرنے کے جو پیمانے مقرر ہیں، ان کو پورا نہ کرنے کی بیماری بھی ہمارے معاشرے میں عام ہے، جیسا کہ مندرجہ بالا اقتباس میں حضرت مفتی صاحبؒ نے اس کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ ہزاروں میں کوئی ایک ہوگا جو مقررہ پیمانے کو پورا ادا نہ کرنے کا مریض نہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ اس کی سزا یعنی رزق کی بندش بھی عام ہو رہی ہے۔ رزق کی بندش کی بھی بہت سی صورتیں ہیں: ایک یہ کہ رزق کا قحط ہو جائے۔ ایک صورت یہ ہے کہ چیزوں کی تو فراوانی اور بہتات ہو، مگر صارفین کی قوتِ خرید میں کمی واقع ہو جائے۔ ایک صورت یہ ہے کہ رزق سے برکت اٹھ جائے اور (الا ماشاء اللہ!) ہر شخص کو قلتِ وسائل کی شکایت ہو۔

غور فرمایئے! تو ہمارے یہاں ''بندشِ رزق'' کی یہ ساری صورتیں پائی جاتی ہیں اور رزق کے معاملے میں معاشرے کی اکثریت حیران و پریشان ہے۔ بے روزگاری عام ہو رہی ہے اور اس کے نتیجہ میں نوجوان نسل منفی جذبات کی آماجگاہ بن رہی ہے۔ معمولی سی بات پر لڑائی جھگڑا،

قتل وقتال اور قومی املاک کی توڑ پھوڑ گویا روزمرہ کا معمول بن رہا ہے۔ کوئی دن ایسا نہ ہوگا جو اس نوعیت کے ناخوشگوار واقعات سے خالی گذرتا ہو۔

حضرت مفتی صاحبؒ ''قطعِ رزق'' کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''حدیث میں جن لوگوں کا رزق قطع کردینے کا ارشاد ہے، اس کی یہ صورت بھی ہوسکتی ہے کہ اس کو رزق سے بالکل محروم کردیا جائے اور یہ صورت بھی قطع رزق ہی میں داخل ہے کہ رزق موجود ہوتے ہوئے وہ اس کو کھا نہ سکے یا استعمال نہ کرسکے، جیسے بہت سی بیماریوں میں اس کا مشاہدہ ہوتا ہے اور اس زمانے میں بہت عام ہے۔ اسی طرح قحط کی یہ صورت بھی ہوسکتی ہے کہ اشیاء ضرورت مفقود ہوجائیں اور یہ بھی ہوسکتی ہے کہ موجود بلکہ کثیر ہونے کے باوجود ان کی گرانی اتنی بڑھ جائے کہ خریداری مشکل ہوجائے، جیسا کہ آجکل اس کا مشاہدہ اکثر چیزوں میں ہورہا ہے۔ اور حدیث میں فقر مسلط کرنے کا ارشاد ہے، اس کے معنی صرف یہی نہیں کہ روپیہ، پیسہ اور ضرورت کی اشیاء اس کے پاس نہ رہیں، بلکہ فقر کے اصل معنی محتاجی اور حاجت مندی کے ہیں۔ ہر شخص اپنے کاروبار اور ضروریاتِ زندگی میں دوسروں کا جتنا محتاج ہو، وہ اتنا ہی فقیر ہے۔ اس زمانے کے حالات پر غور کیا جائے تو انسان اپنے رہن سہن اور نقل وحرکت اور اپنے ارادوں کے پورا کرنے میں ایسے ایسے قوانین میں جکڑا ہوا نظر آتا ہے کہ اس کے لقمہ اور کلمہ تک پر پابندیاں ہیں۔ اپنا مال موجود ہوتے ہوئے خریداری میں آزاد نہیں کہ جہاں سے چاہے کچھ خریدے، سفر میں آزاد نہیں کہ جب کہیں جانا چاہے چلا جائے۔ ایسی ایسی پابندیوں میں انسان جکڑا گیا ہے کہ ہر کام کے لئے دفتر گردی اور افسروں سے لے کر چپراسیوں تک کی خوشامد کئے بغیر زندگی گزارنا مشکل ہے۔ یہ سب محتاجی ہی تو ہے، جس کا دوسرا نام فقر ہے۔ اس تفصیل سے وہ شبہات رفع ہوگئے جو حدیث کے ارشاد کے متعلق ظاہری حالات کے اعتبار سے ہوسکتے ہیں''۔ (معارف القرآن، ج:۸،ص:۶۸۴، ۶۹۵)

۴...... حدیث کا چوتھا فقرہ یہ ہے کہ جو قوم حق کے خلاف فیصلے کرتی ہے، اس میں قتل وخونریزی عام ہوجاتی ہے۔ ''حق کے مطابق فیصلہ'' کرنے کا مطلب ہے ''صحیح قانون کے مطابق صحیح فیصلہ کرنا'' گویا اس کے مفہوم میں دو چیزیں شامل ہیں: ایک یہ کہ قانون کے مطابق بے لوث

فیصلہ کیا جائے، جس میں نہ کسی کی رو رعایت ہو، نہ لالچ یا سفارش کارفرما ہو۔ دوم یہ کہ جس قانون کے مطابق فیصلہ کیا گیا، وہ قانون بھی بجائے خود صحیح اور برحق ہو۔ پس اگر قانون ہی غلط ہو، ظالمانہ ہو تو اس کے مطابق جو فیصلہ بھی کیا جائے گا، وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک عدل وانصاف کا فیصلہ نہیں ہوگا اور ایسے فیصلے کرنے والا ''ناحق فیصلہ'' کی وعید کا مستحق ہوگا، وہ قیامت کے دن یہ عذر نہیں کرسکے گا کہ میں نے قانون کے مطابق فیصلہ کیا تھا۔ اسی طرح اگر قانون تو صحیح اور برحق ہے، مگر فیصلہ کرنے والے نے قانون کے مطابق بے لوث اور بے لاگ فیصلہ نہیں کیا، بلکہ رشوت وسفارش یا قرابت کی وجہ سے ایک فریق کی رعایت کی گئی تو یہ فیصلہ بھی ظالمانہ اور جابرانہ فیصلہ ہوگا۔

بدقسمتی سے ہمارے یہاں ''حق کے مطابق فیصلہ'' کی دونوں شرطیں مفقود ہیں۔ قیام پاکستان سے لے کر آج تک ہمارے یہاں انگریز کا قانون بعض جزوی ترمیمات کے ساتھ نافذ ہے اور ہماری عدالتیں (اگر ان کو عدالت کہنا صحیح ہے) اسی کے مطابق فیصلے کرنے کی پابند ہیں۔ گویا ہمارے یہاں عدالتوں میں ''ماأنزل اللہ'' کے بجائے ''ما أنزل الانکلیز'' کے مطابق فیصلے ہوتے ہیں۔

اور پھر جس قسم کا قانون بھی نافذ ہے، صحیح یا غلط فیصلے اس کے مطابق نہیں ہوتے، بلکہ رشوت وسفارش کے مطابق فیصلے ہوتے ہیں۔ رشوت وسفارش کا طوفان قانون کی حکمرانی کو بہا کر لے گیا ہے، چنانچہ قانون ظالم سے مظلوم کو حق دلانے سے قاصر ہے، اس کی حیثیت منڈی کے بکاؤ مال کی ہے کہ جو شخص بھی اس کے زیادہ دام لگائے، قانون اس کی چاکری کے لئے حاضر ہے، کسی دانا کا یہ قول بالکل صحیح ہے کہ:

''قانون مکڑی کا جالا ہے، یہ کمزور کو پھانس لیتا ہے اور طاقت ور اُسے توڑ دیتا ہے''۔

ان دو چیزوں کے علاوہ موجودہ عدالتی نظام اتنا پیچیدہ اور اتنا مہنگا ہے، عام آدمی اس سے دادرسی کی کوئی توقع نہیں رکھتا، بلکہ عدالت کے لفظ ہی سے پناہ مانگتا ہے اور اگر عدالت سے رجوع کرنا ہی پڑے تو حصولِ انصاف کے طول وطویل راستے کو اپنی زندگی میں قطع کرنے کی اُسے کوئی توقع نہیں ہوتی۔ دیوانی مقدمات میں زیادہ تر فیصلہ باپ کے بجائے بیٹے کی زندگی میں ہوتا ہے اور بسا اوقات دادا کے مقدمہ کا فیصلہ پوتے کو سنایا جاتا ہے۔ فوجداری مقدمات میں بھی سالہا سال تک جیلوں میں پڑے سڑتے رہتے ہیں اور عدالت ایک طویل عرصے کے بعد فیصلہ کرتی ہے کہ وہ مجرم ہیں یا بے قصور؟ اور بے قصور ہونے کی صورت میں اُنہیں عدالت کے دروازے پر انصاف کی بھیک مانگنے کے جرم میں طویل عرصہ جیل کی ہوا کھانی پڑتی ہے۔

الغرض ہمارے موجودہ عدالتی نظام میں اول تو وہ قانون ہی (الا ماشاء اللہ!) غلط اور

ناحق ہے، جس کے مطابق فیصلے کئے جاتے ہیں۔

دوسرے: یہ عدالتی فیصلے اکثر و بیشتر بےلوث نہیں، بلکہ رشوت وسفارش یا دوستی وقرابت کی بنا پر کئے جاتے ہیں۔

تیسرے: انصاف مفت تو کیا، سستا بھی مہیا نہیں ہوتا۔ ہمارے ملک میں انصاف ایسی گراں جنس ہے کہ غریب آدمی کی دسترس سے باہر ہے۔

چوتھے: یہ عدالتی نظام ایسا پیچ در پیچ ہے کہ دادرسی کے طالب کا پیمانۂ عمر لبریز ہو جاتا ہے اور وہ قیدِ حیات سے رہائی حاصل کر لیتا ہے، وہ عدالت اُسے انصاف دلانے سے قاصر رہتی ہے۔ یہ تمام تر صورت حال ظلم در ظلم، در ظلم، در ظلم کی ہے، جس کی چکی میں ''انصاف کے نام'' پر معاشرہ پس رہا ہے۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ قانون کا احترام اُٹھ گیا ہے اور قانون کو ہاتھ میں لینے کا رجحان تیزی سے بڑھ رہا ہے اور اس کے نتیجہ میں انارکی، افراتفری، فتنہ وفساد اور قتل وغارت کے لاوے پھوٹ رہے ہیں۔ یہ وہ صورتحال ہے جس کا نقشہ حدیث شریف میں ان الفاظ میں کھینچا گیا ہے کہ: ''جب کوئی قوم ناحق فیصلے کرتی ہے تو اُن میں خونریزی عام ہو جاتی ہے''۔

حدیث شریف کا پانچواں فقرہ عہد شکنی سے متعلق ہے کہ جب کوئی قوم اپنے کئے ہوئے معاہدوں کا پاس نہیں کرتی، بلکہ عہد شکنی کا ارتکاب کرتی ہے تو اللہ تعالیٰ اُس پر دشمن کو مسلط کر دیتے ہیں۔ اس سے غالباً وہ سرکاری معاہدات مراد ہیں جو غیر قوموں کے ساتھ کئے جاتے ہیں۔ عہد شکنی بجائے خود ایک بدترین جرم ہے، لیکن غیر قوموں کے ساتھ کئے گئے معاہدات میں عہد شکنی کرنا اس جرم کو اور زیادہ سنگین کر دیتا ہے اور بالآخر یہ عہد شکنی مسلمانوں کی ذلت ورسوائی اور اُن پر دشمن کے تسلط کا سبب بن جاتی ہے۔ **نعوذ باللہ من ذلک**۔

خلاصہ یہ کہ آج ہم جن پریشانیوں میں مبتلا ہیں، وہ ہماری شامتِ اعمال کا نتیجہ ہیں۔ اس صورت حال کو نہ تو کانفرنسوں اور جلسوں کے ذریعہ بدلا جا سکتا ہے، نہ حکومت کی تبدیلی اس کا حل ہے، نہ انتخاب، نہ پارلیمنٹ۔ ان پریشانیوں کے ازالہ کی بس ایک صورت ہے کہ ہم اپنی بدعملیوں سے توبہ کریں اور اصلاحِ احوال کے لئے اصلاحِ اعمال کا راستہ اختیار کریں۔ حق تعالیٰ شانہٗ ہمارے حال پر رحم فرمائیں، ہماری کوتاہیوں اور لغزشوں کو معاف فرمائیں اور اعمالِ صالحہ اختیار کرنے کی صورت میں جس ''حیات طیبة'' کا وعدہ فرمایا گیا ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں بھی نصیب فرمائیں۔

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقه سیدنا ومولانا محمد النبی الأمی نبی الرحمة وعلی آله وأصحابه وأتباعه أجمعین.

فتاویٰ عالمگیری اور اس کے مؤلفین

مولوی محمد عمران ممتاز، متعلم تخصص فقہ اسلامی

جناب نبی کریم ﷺ کے زمانے سے لے کر آج تک مسلمان جہاں کہیں گئے، وہاں انہوں نے اپنے علمی، اخلاقی، عملی اور تمدنی مآثر چھوڑے، جو آج تک ان کی پہچان بنے ہوئے ہیں۔

دینی علوم میں خدمات کے اعتبار سے برصغیر پاک و ہند کو ایک ممتاز حیثیت حاصل ہے۔ یہاں مختلف اسلامی علوم نے اپنے لئے جگہ بنائی، مفسرین پیدا ہوئے، محدثین نے علم حدیث کی بساط بچھائی اور فقہاء نے فہم و درک کی مسندیں آراستہ کیں، نو پیش آمدہ مسائل کی گرہ کشائی کی، کتابیں لکھیں، مدرسے قائم کئے اور وعظ وارشاد کی محفلیں سجائیں۔اس کارِ خیر میں علماء امت کے فرضِ منصبی کی بجا آوری میں بعض سلاطین اسلام کی دین دوستی کا بہت بڑا حصہ بھی شامل ہے۔

ایسے ہی علمی کارناموں میں سے ایک اہم کارنامہ ''الفتاویٰ الھندیة ''معروف بہ فتاویٰ عالمگیری بھی ہے، جسے مغل بادشاہ اورنگزیب عالمگیرؒ کی ایماء وتمنا پر علماء کی ایک جماعت نے مرتب کیا۔

اورنگزیب عالمگیرؒ:

ابومظفر محی الدین اورنگزیب عالمگیرؒ بن شاہ جہاں ۱۵رذوالقعدہ ۱۰۲۸ھ کو دوحد کے مقام پر پیدا ہوئے۔اورنگزیب عالمگیر کی زندگی کے دونمایاں پہلو ہمارے سامنے آتے ہیں، ایک پہلو بادشاہت کا ہے اور دوسرا عالم دین وخادمِ اسلام ہونے کا۔ ہم یہاں صرف ان کے علم وتدین کے موضوع سے تعرض کریں گے اور وہ بھی صرف اس پہلو سے کہ اصل موضوع (فتاویٰ عالمگیری کی ترتیب وتصنیف) کے ساتھ عالمگیر کی زندگی کے ایک حصہ کا تعلق ہے۔آپؒ کی سعی مسلسل سے یہ فتاویٰ معرض وجود میں آیا۔انہوں نے علم دین مولانا عبد اللطیفؒ، مولانا ہاشم گیلانیؒ اور شیخ محی الدین بن عبد اللہ بہاریؒ سے حاصل کیا۔عمدگیِ خط میں ضرب المثل تھے۔خط نسخ اور خط نستعلیق کے ماہر تھے۔تختِ سلطنت پر براجمان ہونے سے پہلے اپنے ہاتھ سے ایک مصحف لکھا اور اُسے مکہ مکرمہ بھیجا، پھر حکمرانی کے دور میں دوسرا مصحف

لکھا، جس پر اس زمانے میں سات ہزار روپیہ کا خرچ آیا اور اُسے مدینہ منورہ بھیجا۔

عالمگیرؒ کو علم حدیث میں بھی کمال حاصل تھا، دورِ حکمرانی سے پہلے ایک کتاب ’’الأربعین‘‘ لکھی، جس میں نبی کریم ﷺ کی چالیس قولی احادیث جمع کیں۔ اسی طرح کی ایک دوسری کتاب زمانۂ بادشاہت میں لکھی، پھر ان دونوں کا فارسی میں ترجمہ کیا اور عمدہ حواشی بھی لگائے۔

بادشاہ موصوف ہفتہ میں تین دن مولانا سید محمد حسینی قنوجی، علامہ محمد شفیع یزدی اور نظام الدین برہان پوری رحمہم اللہ کے ساتھ احیاء العلوم، کیمیائے سعادت اور فتاویٰ ہندیہ کا مذاکرہ کیا کرتے تھے۔ فقہ میں مہارت تامہ رکھتے تھے اور اس کی جزئیات کا مکمل استحضار تھا۔ فقہ سے محبت وشغف کی بین دلیل فتاویٰ ہندیہ (فتاویٰ عالمگیری) کی تالیف ہے، جو اُن کے زمانے میں اُن کے حکم سے ہوئی۔ ادب وشعروشاعری پر بھی دسترس تھی، لیکن خود بھی شعر نہ کہتے اور لوگوں کو بھی اشعار میں وقت ضائع کرنے سے روکتے تھے۔

نیکی اور دینداری کے لحاظ سے متقی، متورع، نماز باجماعت کے پابند اور تہجد گزار تھے۔ جن ایام میں نبی اکرم ﷺ سے روزہ رکھنا ثابت ہے، اُن ایام میں روزے رکھنے کا معمول تھا۔

بہرحال اورنگزیب عالمگیرؒ ایسی بہتیری خصوصیات کے مالک تھے جو کسی مسلمان حکمران میں ہونی چاہئیں۔ برصغیر میں اسلامی احکام کی نشر واشاعت میں اُن کا بڑا حصہ ہے۔ یکم ذوالقعدہ ۱۰۶۸ھ (بمطابق ۲۳ر جولائی ۱۶۵۸ء) کو تختِ ہند پر متمکن ہوئے۔ پچاس برس حکومت کی اور نوے برس عمر پاکر ذوالقعدہ ۱۱۱۸ھ (۲۱ر فروری ۱۷۰۷ء) کو دکن میں وفات پائی۔ (نزہۃ الخواطر، ج:۶،ص:۳۷۷)

فتاویٰ عالمگیری کے اصل محرک:

اورنگزیب عالمگیرؒ علمی ذوق کے مالک تھے۔ اُن کا اپنا ذاتی وسیع کتب خانہ تھا، جو ان کے آباء و اجداد کے زمانے سے چلا آرہا تھا، جس سے فتاویٰ کی ترتیب وتألیف میں علماء مدد حاصل کرتے تھے۔ جو علمائے کرام ترتیب فتاویٰ کا کام انجام دے رہے تھے، ان کے علمی مرتبے کے مطابق ان کے لئے وظائف وعطایا کا انتظام کیا گیا تھا۔ اورنگزیبؒ کے زمانے میں اکابر علماء اور ائمۂ مذہب فہم مسائل میں حنفی فقہ کے مطابق فتوے دیتے رہے اور عملی اسلامی زندگی فقہ حنفی کا مظہر ہوا کرتی تھی۔ ادھر جو مسائل کتب فقہ اور نسخہ ہائے فتاویٰ میں مذکور تھے، فقہاء وعلماء میں اختلاف کی وجہ سے روایاتِ ضعیفہ اور اقوالِ مختلفہ مخلوط ہوکر رہ گئے تھے، جس کی وجہ سے بہت سے مفتیان ضعاف پر فتوے دیتے اور انہی پر عمل کرتے تھے۔ عالمگیرؒ کے قلب وضمیر پر یہ بات القاء ہوئی کہ تمام بلند مرتبت علماء وفقہاء کے اجتماع واشتراک سے یہ اہم کام کیا جائے کہ علماء ان کے کتب خانہ خاص میں فن فقہ کے معتبر ذخیرہ کو مرکزِ توجہ ٹھہرا کر ایسی جامع کتاب مرتب کریں، جس کے تمام مسائل مفتیٰ بہا ہوں، تاکہ فتویٰ جاری کرنے میں قاضی اور مفتیان اسلام، اس موضوع سے متعلق تمام کتب اور مختلف ذخائرِ فقہ کے تتبع اور تفحص سے بے نیاز ہوجائیں۔

اس مہم کو کامیابی سے سرانجام دینے کے لئے عالمگیرؒ نے اس عظیم کارنامے کی انجام دہی کے لئے شیخ نظام الدین برہان پوریؒ کی سرکردگی میں ایک جماعت تشکیل دی۔ علماء وفضلاء کی جو جماعت دار الخلافہ میں موجود تھی، اس خدمت میں مصروف ہوگئی۔ علاوہ ازیں سلطنتِ ہند کے ہر گوشے میں اطلاعات پہنچادی گئیں اور ان علوم میں جو حضرات مہارت رکھتے تھے، بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوگئے۔

اس سلسلے میں ان کے لئے معقول وظائف اور بادشاہ کے کتب خانہ خاص سے کتابوں کی رسائی کا بہترین انتظام کیا گیا۔ (عالمگیر نامہ، بحوالہ برصغیر میں علم فقہ،ص:۲۸۱)

فتاویٰ عالمگیری کا سن تالیف:

یقین اور قطعیت کے ساتھ یہ کہنا مشکل ہے کہ فتاویٰ عالمگیری کی تصنیف وتالیف کا آغاز کب ہوا اور کتنی مدت میں یہ کام پایۂ تکمیل کو پہنچا، البتہ قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی تالیف کا آغاز ۱۰۷۷ھ یا ۱۰۷۸ھ میں ہوا، اور تکمیل ۱۰۸۰ھ یا ۱۰۸۱ھ میں ہوئی۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ ''عالمگیر نامہ'' کے مصنف منشی محمد کاظم بن محمد امین نے ایک عنوان قائم کیا ہے:

''آغاز سال دہم والائے دولت عالمگیری.........مطابق سنہ ہزار و ہفتاد وہفت ہجری''۔

اس عنوان کے تحت عالمگیر نامہ میں گیارہویں سال جلوس کا ذکر ہے اور اسی ضمن میں فتاویٰ عالمگیری کی ترتیب کا بھی تذکرہ ہے۔ چونکہ عالمگیر نامہ اورنگ زیب عالمگیرؒ کے پہلے دس سالہ دورِحکومت کے واقعات پر مشتمل ہے، اور فتاویٰ عالمگیری کا ذکر اس کتاب کے آخر میں کیا گیا ہے، جس کا مطلب ہے کہ اس فتاویٰ کی تالیف اس وقت شروع ہوئی، جب عالمگیرؒ کو تختِ ہند پر متمکن ہوئے دس سال کا عرصہ گزر چکا تھا، جو کہ تاریخی اعتبار سے ۱۰۷۷ھ یا ۱۰۷۸ھ بنتا ہے، لیکن فتاویٰ عالمگیری کی تالیف کا سلسلہ اسی سال اختتام پذیر نہیں ہوا تھا، کیونکہ عبارت کے آخری الفاظ یہ بتاتے ہیں کہ کتاب لکھی جارہی ہے۔ عبارت یہ ہے:

''وچوں آں کتاب مستطاب صورتِ اتمام گیرد وپیرایۂ اختتام پذیرد، جہانیاں را از سائر کتب فقہی مغنی خواہد بود وبرکات اجر وثوابش ابدالآباد در نسخۂ حسنات شہنشاہ مؤید قدسی ملکات مثبت ومرقوم خواہد گشت''۔

عام طور پر مشہور ہے کہ فتاویٰ عالمگیری کی ترتیب وتدوین پر دو سال کی مدت صرف ہوئی، اگر یہ صحیح ہے تو اس کی تالیف کا آغاز ۱۰۷۷ھ یا ۱۰۷۸ھ میں ہوا، اور تکمیل ۱۰۸۰ھ یا ۱۰۸۱ھ میں ہوئی۔

فتاویٰ عالمگیری کی ترتیب وتنسیق:

دیگر کتب فقہ کی طرح اس میں بھی ''کتاب'' کے عنوان کے تحت ابواب ہیں اور پھر ہر باب کے تحت فصول کے نام سے کچھ ذیلی عنوانات قائم کرکے مسئلہ زیر بحث سے متعلق بہت سے ضمنی مسائل کی

وضاحت کی گئی ہے،مثلاً: کتاب الطہارۃ سات ابواب پر مشتمل ہے،جنہیں ''الباب الاول''، ''الباب الثانی''......الخ کے الفاظ سے بیان کیا گیا ہے اور پھر اس کے تحت پانچ فصلیں ہیں،جنہیں ''الفصل الاول''، ''الفصل الثانی'' وغیرہ سے معنون کیا گیا ہے، زیادہ واضح الفاظ میں یوں سمجھنا چاہئے:

(كتاب الطهارة) وفيه سبعة ابواب: الباب الاول في الوضوء وفيه خمسة فصول، الفصل الاول في فرائض الوضوء. الفصل الثاني في سنن الوضوء. الفصل الثالث في مستحبات الوضوء. الفصل الرابع في مكروهات الوضوء. الفصل الخامس في نواقض الوضوء. الباب الثاني في الغسل وفيه ثلاثة فصول. الفصل الاول في فرائضه. الفصل الثاني في سنن الغسل. الفصل الثالث في المعاني الموجبة للغسل وهي ثلاثة.

یہی طریق کار تقریباً پوری کتاب میں ہے،سوائے چند جگہوں کے،مثلاً: ''كتاب اللقيط، كتاب اللقطة، كتاب الإباق'' اور ''كتاب المفقود'' کے تحت باب کا عنوان نہیں،اسی طرح کتاب القاضی کے تحت ابواب تو ہیں،مگر ان کے نیچے فصل کا عنوان نہیں ہے۔

فتاویٰ عالمگیری میں اس بات کا تقریباً التزام کیا گیا ہے کہ ہر کتاب کے شروع میں مسئلہ متعلقہ کے معنی ومطلب کی وضاحت کی گئی ہے،مثلاً: ''كتاب الحوالة'' کی ابتداء میں بتایا گیا ہے کہ حوالہ کے کیا معنی ہیں۔

فتاویٰ عالمگیری کی علمی وفقہی حیثیت:

فتاویٰ ہندیہ کو علمی وفقہی دنیا میں بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے، کیونکہ اس میں جو مسائل بیان ہوئے ہیں، وہ فقہ حنفی کی رو سے یا تو راجح اور مفتیٰ بہ ہیں یا ظاہر الروایہ میں سے ہیں۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ فقہ کی تمام اہم اور قابل ذکر کتابوں کا نچوڑ ہے، اس کے مآخذ اور مراجع فقہ حنفی میں بڑی وقعت رکھتے ہیں۔

خصوصیاتِ فتاویٰ عالمگیری:

فتاویٰ عالمگیری اپنے اندر کچھ ایسی خصوصیات رکھتا ہے جو فتاویٰ کی دوسری کتابوں میں نہیں یا بہت کم ہیں، اس کی چند اہم خصوصیات مندرجہ ذیل ہیں:

۱......اس کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ یہ کسی ایک شخص کی تالیف نہیں، بلکہ علماء کی ایک ممتاز جماعت کی محنت اور جد وجہد کا نتیجہ ہے، اس لئے اس میں فقہی اعتبار سے غلطی کا امکان کم ہے۔

۲......ہر مسئلہ کے ساتھ اس کے مآخذ کا حوالہ بھی دیا گیا ہے، جس کتاب کا حوالہ دیا گیا ہے، اگر اس میں کسی دوسری کتاب سے نقل کیا گیا ہے تو ''ناقلا عن فلان'' کرکے اصل مأخذ کی طرف بھی اشارہ کردیا۔

۳......اگر مسئلہ کے بارے میں دو مختلف اقوال ہیں اور دونوں میں سے کوئی قابل ترجیح نہیں تو

دونوں کو مع حوالہ نقل کردیا گیا ہے۔

۴......اگر کسی کتاب کی لفظ بلفظ نقل ہے تو ''کــذا'' لکھ دیا ہے اور اگر اس کا خلاصہ اور مفہوم لیا ہے تو ''ھکذا'' سے اشارہ کردیا گیا ہے۔

۵......اس کتاب کے فارسی اور اردو زبانوں میں ترجمے کئے گئے ہیں، تاکہ اس کے مضامین اور مندرجات سے زیادہ سے زیادہ لوگ مستفید ہوسکیں۔

فتاویٰ عالمگیری کے مآخذ:

فتاویٰ عالمگیری فقہ کی تمام اہم اور معتبر کتابوں کا خلاصہ اور عطر ہے، ذیل میں عالمگیری کے چند مشہور اور کثیر المراجعۃ مآخذ کی فہرست دی جاتی ہے، جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ علماء نے کس محنت اور جانفشانی سے فقہ وفتاویٰ کا یہ ذخیرہ جمع کیا ہے۔

۱......الهداية، برهان الدين مرغيناني. ۲......ذخيرة العقبى شرح منية المصلي. ۳......جامع المضمرات، صوفي يوسف بن عمر كادوري. ۴......بدائع الصنائع، أبوبكر الكاساني. ۵......المغني، ابن قدامه حنبلي. ۶......شرح الهداية للعيني. ۷......فرائض الزاهدي، مختار بن محمود. ۸......محيط السرخسي. ۹......المحيط البرهاني، صدر الشريعة محمود بن تاج الدين. ۱۰......ظهيرية، ظهير الدين بخاري. ۱۱......فتاویٰ قاضي خان، حسن بن منصور أوزجندي. ۱۲......شرح الوقاية. ۱۳......التبيين، امام نسفي. ۱۴......السراج الوهاج، أبوبكر الحدادي. ۱۵......فتح القدير، كمال الدين ابن همام. ۱۶......البحر الرائق، زين الدين ابن نجيم. ۱۷......الجامع الصغير، امام محمد. ۱۸......الجامع الوجيز، كردري. ۱۹......تاتارخانية، عالم بن علاء. ۲۰......فتاویٰ سراجية، أوشني فرغاني. ۲۱......الإختيار لتعليل المختار، عبد الله الموصلي. ۲۲......الكفاية شرح الهداية جلال الدين خوارزمي. ۲۳......فتاویٰ برهانية. ۲۴......الجوهرة النيرة، أبوبكر الحدادي. ۲۵......قنية المنية، نجم الدين الزاهدي. ۲۶......النهر الفائق، عمر بن إبراهيم ابن نجيم. ۲۷......فتاویٰ الحجة. ۲۸......النهاية، حسين بن علي السغناقي. ۲۹......الوافي، عبد الله النسفي. ۳۰......خزانة الفقه، امام أبو الليث. ۳۱......الملتقط، محمد بن يوسف سمرقندي ۳۲...... شرح المنية، حجمي. ۳۳......فتاویٰ غياثية، شيخ داؤد بن يوسف. ۳۴......الشمني، تقي الدين شمني. ۳۵......فتاویٰ شيخ الإسلام المعروف بخواهر زاده. ۳۶......عتابية. ۳۷......منية المصلي، سديد الدين كاشغري. ۳۸......خزانة المفتين، امام حسين بن محمد المنقاني. ۳۹......رمز الحقائق شرح كنز، عيني. ۴۰......المفيد

والمزيد. ۴۱......حليلة المجلي شرح المنية لابن امير الحاج. ۴۲......كنز الدقائق، عبد الله النسفي. ۴۳......خزانة الفتاوىٰ، أحمد بن محمد الخففي. ۴۴......الأسرار في الأصول والفروع،أبوزيد الدبوسي. ۴۵......شرح الزيادات. ۴۶......شرح النقاية، شيخ المكارم. ۴۷......الصغيري، حلبي. ۴۸......الكبيري، حلبي. ۴۹......شرح المجمع، ابن الملك. ۵۰......التجنيس،صاحب الهداية. ۵۱......التنوير شرح تلخيص الجامع الصغير. ۵۲......العناية شرح الهداية، محمد بن محمود بابرتي. ۵۳......فتاوىٰ الغرائب. ۵۴......فتاوىٰ آهو الصيرفية. ۵۵......مختار الفتاوىٰ. ۵۶......مختصر القدوري، امام قدوري. ۵۷......فتاوىٰ التمرتاشي، ظهير الدين حنفي. ۵۸......ينابيع الأحكام، اسفرائيني. ۵۹......الوقاية، محمود بن عبيد الله محبوبي. ۶۰......النقاية، صدر الشريعة عبيد الله بن مسعود. ۶۱......مختارات النوازل، صاحب الهداية. ۶۲......شرح النقاية، برجندي. ۶۳......الغاية شرح الهداية، أحمد بن إبراهيم السروجي. ۶۴......الفصول العمادية ، جمال الدين حنفي. ۶۵......الحاوي القدسي، جمال الدين أحمد بن محمد. ۶۶......فصول الأستروشني، مجد الدين أبو الفتح.

ان کے علاوہ اور بھی کئی مراجع اور مآخذ ہیں:

فتاویٰ عالمگیری کے مرتبین:

فتاویٰ عالمگیری کی تالیف میں ہندوستان میں عالمگیر کے دور کے تقریباً تمام ممتاز علماء وفقہاء شریک تھے، جن میں خود عالمگیر بھی ذاتی دلچسپی سے شریک کار رہے، لیکن اس عظیم کارنامے میں کتنے حضرات شریک تھے، ان کی صحیح تعداد کا حتمی اندازہ نہیں لگایا جاسکا۔ مختلف اصحابِ تحقیق نے اس موضوع پر لکھا ہے، جس کو جس عالم کے متعلق علم ہوا، اس کا ذکر کردیا۔ مولانا اسحاق بھٹی صاحب نے ''برصغیر میں علم فقہ'' نامی کتاب میں اٹھائیس حضرات کا نام ذکر کیا ہے، جو اس عظیم کام میں شریک ہوئے، جن کے اسماء مندرجہ ذیل ہیں:

۱......شیخ نظام الدین برہان پوریؒ:

فتاویٰ عالمگیری کی ترتیب وتالیف پر بہت سے علماء مقرر ہوئے اور اس کا اہتمام، اُس دور کے مشہور عالم شیخ نظام الدین برہان پوریؒ کے سپرد کیا گیا، چنانچہ نزہۃ الخواطر (ج:۵،ص:۴۵۶) میں علامہ عبدالحی حسنیؒ ان کے حالات میں لکھتے ہیں۔ ''ولاّہ تدوين الفتاوىٰ الهندية وترتيبها باستخدام الفقهاء الحنفية''۔ اور اسی صفحہ پر آگے چل کر لکھتے ہیں:

''وولى أربعة رجال منهم تحت أمره اى الشيخ نظام الدينؒ فقسم أرباعها على أربعتهم، أحدهم الماضي محمد حسين الجونپوري

المحتسب وثانيهم السيد علي أكبر أسعد الله خاني وثالثهم الشيخ حامد الجونپوري ورابعهم المفتي محمد أكرم اللاهوري''۔

شیخ نظام الدینؒ مشہور فقہاء حنفیہ میں سے تھے، ان کا وطن برہان پور (گجرات) تھا، ان کے اساتذہ میں سے مشہور شخصیات شیخ نصیر الدین برہان پوریؒ اور شیخ ابوتراب بن ابی المعالی ایٹھوی رحمہم اللہ تھے۔ عالمگیرؒ کو شہزادگی کے زمانے میں جب دکن کا انتظام سپرد ہوا تو وہیں شیخ نظام الدینؒ سے ملاقات ہوئی اور ان کو اپنے دامنِ دولت سے وابستہ کرلیا اور پھر آخر وقت تک ان کو جدا نہیں کیا۔ عالمگیرؒ کی کوئی علمی و سیاسی مجلس مشکل سے شیخ نظام الدینؒ کی شرکت سے خالی ہوتی تھی۔ عالمگیرؒ ان کا اتنا احترام کرتا تھا کہ آداب وتسلیم کی پابندی سے انہیں مستثنیٰ کردیا تھا۔ اس کی واضح دلیل فتاویٰ کی ترتیب کی ذمہ داری ان کے حوالے کرنا ہے۔ عالمگیر نامہ کے مصنف لکھتے ہیں:

''وسرکردگی واہتمام ایں مہم صواب انجام بفضیلت مآب شیخ نظامؒ کہ جامع فضائل معقول ومنقول است تفویض یافت''۔ (فتاویٰ عالمگیری کے مؤلفین، ص:۲۷)

۲...... شیخ نظام الدین ٹھٹھوی سندھیؒ:

یہ سندھ کے ایک بلند پایہ علمی خانوادے سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کے آباؤ واجداد شیراز کے رہنے والے تھے، جنہوں نے بعد میں ہرات میں سکونت اختیار کرلی تھی، ۹۰۶ھ میں ہرات سے قندھار منتقل ہوئے، اکیس سال وہاں مقیم رہنے کے بعد ۹۲۷ھ میں سندھ کے شہر ٹھٹھہ تشریف لائے۔ شیخ نظام الدینؒ فقہ میں کافی دسترس رکھتے تھے، اسی علم ودانائی نے انہیں دربار شاہی میں پہنچایا اور وہاں مختلف مناصب پر مامور ہوئے اور دوسرے علماء کے ساتھ فتاویٰ عالمگیری کی تالیف میں حصہ لیا، چنانچہ تذکرۂ علمائے ہند (ص:۲۸۸) میں ہے:

''سید نظام الدین ٹھٹھویؒ در فقہ اوفق انام ودر علوم اعلم کرام برآمدہ، بجذبۂ طبع گرائیدہ سوئے شاہ جہاں آباد شتافت ودر تالیف فتاویٰ عالمگیری بسے مشکلات حل کردہ''۔ (بحوالہ برصغیر میں علم فقہ ص:۲۹۲)

نزہۃ الخواطر (ج:۵،ص:۲۵۶) میں ہے:

''سافر إلى دهلي وبذل جهوده في تدوين الفتاوىٰ الهندية''۔

۳...... شیخ ابوالخیر ٹھٹھویؒ:

شیخ ابوالخیرؒ بھی صوبہ سندھ کے مشہور علمی شہر ٹھٹھہ کے رہنے والے تھے اور فتاویٰ عالمگیری کے مرتبین میں سے تھے، تذکرہ علمائے ہند میں ان کے بارے میں مرقوم ہے:

''شیخ ابو الخیر ٹھٹھوی در فتاویٰ عالمگیری شریک استنباط مسائل بود''۔

استنباط مسائل سے غالباً مراد یہ ہے کہ فقہاء احناف کے مختلف اقوال میں جو قول کتاب وسنت کے مطابق ہوتا، اس کی وہ نشاندہی کرتے تھے، اس سے ان کے تبحر علمی کا پتہ چلتا ہے۔ (فتاویٰ عالمگیری کے مؤلفین، ص:۱۰۲)

''نزہۃ الخواطر، ج:۵، ص:۴۶۸'' میں ہے:

''ولاّہ عالمغیر بن شاھجھان الدھلوی سلطان الھند علی تدوین الفتاویٰ الھندیة''.

۴......شیخ رضی الدین بھاگل پوریؒ:

یہ عالم اور فقیہ تھے، اپنے دور کے اکابر علماء میں سے تھے، ترویج علم میں مشغول رہے، یہاں تک کہ ان کے علم وفضل کی شہرت چارسو پھیل گئی۔ ان میں ایک خوبی یہ بھی تھی کہ یہ قواعد حرب اور ملکی سیاست میں مہارت رکھتے تھے۔ فتاویٰ عالمگیری کی تالیف میں بھی ان کی شرکت تھی، چنانچہ مآثر عالمگیری میں ہے: ''در مؤلفین فتاویٰ عالمگیری منخرط بود''۔ (بحوالہ برصغیر میں علم فقہ، ص:۲۹۶)

''نزہۃ الخواطر: ج:۵ص:۵۳۰'' میں ہے:

''فاستخدمه عالمگیر فی تألیف الفتاویٰ الھندیة''۔

۵......مولانا محمد جمیل جونپوریؒ:

یہ ہندوستان کے عظیم المرتبت علماء میں سے تھے، جو جونپور کے ایک علمی خاندان میں ۱۰۵۵ھ کو پیدا ہوئے۔ موصوف انتہائی ذہین تھے، ملکۂ فراست بدرجۂ غایت کے حامل تھے، ان کی عمدہ تصانیف ہیں، جن میں سے مطول اور شرح جامی کا حاشیہ بھی شامل ہیں۔

فتاویٰ عالمگیری کی تالیف میں ان کی خدمات کا ذکر ''نزہۃ الخواطر: ج:۶، ص:۸۱۲'' میں ان الفاظ کے ساتھ ہے: ''وله ید بیضاء فی تألیف الفتاویٰ الھندیة''۔

علامہ مرحوم کا انتقال ۶ ررجب ۱۱۲۳ھ میں ہوا۔

۶......قاضی محمد حسین جونپوریؒ:

جونپور کے باشندے اور اپنے وقت کے ممتاز علماء میں سے تھے، فقہ اور اصول میں انہیں خصوصیت سے وافر مقدار میں حصہ ملا تھا۔ اورنگزیب عالمگیرؒ جب تخت نشین ہوئے تو انہوں نے اپنے اوائل عہد حکومت میں انہیں الٰہ آباد منتقل کردیا اور وہاں کی مسند قضا ان کے سپرد کی گئی۔ بعد ازاں ان کے منصب میں اضافہ کرکے انہیں فوج کے محکمۂ احتساب پر متعین کیا گیا۔ ان کے کمالات کی بنا پر ان کو بھی فتاویٰ عالمگیری کی تالیف میں شریک کیا گیا، تذکرہ علمائے ہند میں ہے:

''در تالیف فتاویٰ عالمگیری سعی نمودہ''۔ (بحوالہ فتاویٰ عالمگیری کے مؤلفین، ص:۳۴)

''نزہۃ الخواطر: ج:۵، ص:۶۳۰'' میں ہے:

''وهو ممن بذل جهوده في تدوين الفتاویٰ الهندية''۔

علامہ موصوف کا انتقال ۱۰۸۰ھ میں ہوا۔

۷......مفتی وجیہ الدین گوپامئویؒ:

اودھ کا مشہور اور مردم خیز قصبہ گوپامئو ان کا وطن تھا۔ ۲؍رجب ۱۰۰۵ھ میں ان کی ولادت ہوئی، علم اپنے دادا شیخ جعفرؒ وغیرہ سے حاصل کیا، تصنیفی میدان میں بھی خاص شہرت کے حامل تھے۔ ان کی تصانیف میں سے حصن حصین کی شرح، خیالی اور مطول پر تعلیقات اور تصوف سے متعلق رسائل حلقۂ علماء میں مشہور ہیں۔ فتاویٰ عالمگیری کی تالیف میں ان کا بھی حصہ تھا۔ نزہۃ الخواطر: ج:۵، ص:۶۶۱'' میں ہے۔

''وله مشاركة في تصنيف الفتاویٰ الهندية ذكره السهارنپوريؒ في مرآة جهان نما وقال إنه أمر بتاليف الربع من ذلك الكتاب وتحت يده عشرة رجال من الفقهاء''۔

فتاویٰ کی تالیف میں ان کے کام کی نوعیت کا اندازہ ذیل کی عبارت سے بھی ہوتا ہے۔

زمخشری کی قسطاس کا ایک قلمی نسخہ خدابخش خان کی لائبریری میں ۱۲۰۰ھ کا لکھا ہوا موجود ہے، اس پر شیخ وجیہ الدین کے ہاتھ کی لکھی ہوئی کوئی عبارت ہے، کاتب اس عبارت کو نقل کرنے کے بعد لکھتا ہے:

''عبارت منقول از دستخط مولانا وجیہ الدینؒ رئیس فتاویٰ عالمگیری''۔

اس عبارت کے آخری ٹکڑے سے معلوم ہوتا ہے کہ فتاویٰ کی تالیف میں ان کا کافی حصہ تھا، اور اُنہیں اس میں کوئی امتیازی حیثیت حاصل تھی۔ (فتاویٰ عالمگیری کے مؤلفین، ص:۳۵)

علامہ موصوف کا انتقال ۵؍جمادی الاخری ۱۰۸۳ھ کو دہلی میں ہوا۔

۸......سید محمد بن محمد قنوجیؒ:

محمد نام اور میر خطاب تھا، قنوج مقام پر ان کی پیدائش ہوئی، وہیں پرورش پائی۔ علم کے لئے سفر کیا اور پھر وطن واپس آکر گھر میں گوشہ نشین ہوگئے اور عبادت اور افادہ کے لئے اپنے آپ کو اس طرح وقف کردیا کہ دنیوی معاملات کے لئے کبھی گھر سے باہر قدم نہیں رکھتے تھے۔ شاہجہاں نے اُنہیں اپنے دربار میں بلایا۔ یہ ایک زمانہ تک ان کے ساتھ رہے، ان کے بعد ان کے بیٹے عالمگیر نے ان کی مصاحبت اختیار کی۔ عالمگیر ان کا نہایت احترام کرتے تھے اور ہفتہ میں تین دن ان سے احیاء علوم، کیمیائے سعادت اور فتاویٰ ہندیہ سے متعلق بحث ومباحثہ کرتے۔ عالمگیرؒ انہیں استاد کہہ کر پکارتے۔ علامہ قنوجیؒ نے

کبھی امارت ومنصب کی طرف متوجہ ہوئے اور نہ ہی علماء کی وضع قطع سے نکلے، حالانکہ یہ اپنے شہر میں صاحب جائداد اور کئی گاؤں کے مالک تھے۔

علوم ریاضیہ اور علوم عربیہ میں اُنہیں دسترس حاصل تھی، انہوں نے علامہ تفتازانیؒ کی کتاب ''مطول'' پر حاشیہ تحریر فرمایا۔ فتاویٰ عالمگیری کی تالیف میں بڑی خدمات سرانجام دیں، چنانچہ ''تذکرہ علمائے ہند:ص:۲۱۶'' میں ہے:

''در تالیف فتاویٰ عالمگیری مساعی جمیل بکار بردہ''۔ (فتاویٰ عالمگیری کے مؤلفین ،ص:۲۹)

میر صاحب کا انتقال ۱۱۰۱ھ کو ہوا۔

۹......مولانا حامد جونپوریؒ:

مولانا حامد جونپوریؒ بڑے فقہاء میں سے تھے۔عنفوان شباب ہی میں دلی چلے گئے، وہاں شاہجہانی دربار کے مشہور عالم مرزا محمد زاہد کابلیؒ (منطق میں میر زاہد اُن ہی کی تصنیف ہے) کی خدمت میں پہنچے۔عربی کی اکثر متداول کتابیں ان سے پڑھیں۔علوم وفنون میں خوب محنت کی، یہاں تک کہ اپنے اساتذہ کی زندگی ہی میں کئی علوم میں فوقیت حاصل کرلی تھی۔شاہجہاں کے بعد جب عالمگیرؒ تخت پر بیٹھا تو اس نے بھی دربار کے تعلق اور مناصب کو برقرار رکھا اور فتاویٰ کی تالیف کے لئے ان کا انتخاب بھی عمل میں آیا۔چنانچہ تذکرہ علمائے ہند میں ہے:

''ودر عہد عالمگیرؒ داخل مؤلفین فتاویٰ شد''۔ (فتاویٰ عالمگیری کے مؤلفین ،ص:۱۰۴)

''نزہۃ الخواطر: ج:۶،ص:۱۰۷'' میں ہے:

''استخدمه عالمگیر بن شاهجهان لتدوين الفتاوىٰ الهندية''۔

۱۰......مولانا جلال الدین محمد مچھلی شہریؒ:

مچھلی شہر ضلع جونپور کے باشندے تھے، ان کا نسب نبی کریم ﷺ کے چچازاد بھائی حضرت جعفر طیارؓ سے ملتا ہے۔میدان علم میں آئے تو فقہ واصول میں خاص امتیاز حاصل کی، درس وتدریس کا چشمہ فیض جاری کیا، جس سے لوگ ایک عرصہ تک مستفیض ہوتے رہے۔فتاویٰ عالمگیری میں ان کی خدمات کا ذکر ''مشاہیر جونپور ص:۱۲۲'' میں موجود ہے، مصنف لکھتے ہیں:

''از تصنیفات وتالیفاتش فتاویٰ عالمگیری حصہ اول است کہ حسب اُمر سلطانی جمع نمود''۔ (فتاویٰ عالمگیری کے مصنفین ،ص:۱۰۳)

علامہ عبدالحی حسنیؒ ''نزہۃ الخواطر، ج:۶،ص:۲۰۸'' میں لکھتے ہیں:

''وشارك العلماء في تصنيف الفتاوىٰ الهندية بأمر عالمگير بن

شاهجهان سلطان الهند، وقيل: إنه صنّف المجلد الأول منها وحده''۔

۱۱......قاضی علی اکبرالٰہ آبادیؒ:

قاضی صاحب علوم عقلیہ میں کافی مہارت رکھتے تھے، سعد اللہ خان (عالمگیرؒ کے دربار کے مقبول ترین آدمی) کے خاص ہم نشینوں میں تھے، اسی تعلق سے ''سعد اللہ خانی'' مشہور ہوگئے تھے۔ (فتاویٰ عالمگیری کے مؤلفین، ص:۱۰۱)

پھر عالمگیرؒ نے اُنہیں اپنے قریب کیا اور اپنے بیٹے کا اتالیق مقرر کیا۔ جب عالمگیر ان کی فوقیتِ علم اور تقویٰ پر مطلع ہوئے تو اُنہیں لاہور کے محکمۂ قضا پر مقرر کردیا۔ اکثر امراء ان سے ناراض رہتے، لیکن عالمگیرؒ کی ہیبت اور دبدبے کی وجہ سے کسی کو آنکھ اٹھانے کی جرأت نہ ہوسکی۔ اسی اثناء میں امیر قوام الدین اصفہانی کو لاہور کا والی مقرر کیا گیا، اس نے نظام الدین کوتوال کو اشارہ کیا کہ ان پر قابو پائے۔ اس نے اپنے آدمیوں کی طاقت سے ان کو اپنی گرفت میں لے لیا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ قاضی علی اکبرؒ اور ان کے بھانجے سید فاضل کو قتل کردیا گیا۔ جب یہ بات عالمگیرؒ کو معلوم ہوئی تو اس نے قوام الدین اور نظام الدین کو معزول کرکے، نظام الدین کو قاضی کے ورثا کے حوالے کردیا، انہوں نے اُسے قصاصاً قتل کردیا، جبکہ ورثا نے قوام الدین کو معاف کردیا۔

قاضی صاحبؒ مصنف بھی تھے، ان کی مشہور تصنیفات میں سے فصول اکبری، اصول اکبری اور اس کی شرح ہیں۔

فتاویٰ کی تالیف میں مقرر کئے گئے، جیسا کہ ''فرحۃ الناظرین، ص:۸۴'' میں ہے:

''بتالیف فتاویٰ عالمگیری مامور شدہ بعنایت خلیفہ رحمانی امتیاز داشت''۔

(بحوالہ فتاویٰ عالمگیری کے مؤلفین، ص:۱۰۱)

نزہۃ الخواطر، ج:۵، ص:۵۹۰'' میں ہے:

''وكان ممن ولي النظارة على تدوين الفتاوىٰ العالمگيرية''۔

قاضی علی اکبر کی وفات ۱۰۹۰ھ میں ہوئی۔

۱۲......قاضی عبدالصمد جونپوریؒ:

قاضی موصوف نہایت فاضل آدمی تھے، فقہ اور اصول فقہ کے چوٹی کے علماء میں سے تھے، بہت سے علوم میں مہارت حاصل کی اور پھر دہلی آئے۔ فتاویٰ عالمگیری کی تالیف میں شریک رہے۔

''نزہۃ الخواطر، ج:۶، ص:۱۵۷'' میں ہے:

''وشارك العلماء في تصنيف الفتاوىٰ الهندية''۔

موصوف کا انتقال ۲۷ رجب کو دکن میں ہوا۔

۱۳......مولانا ابوالواعظ ہرگامیؒ:

مولانا ابوالواعظؒ اپنے وقت کے مشاہیر علماء میں سے تھے۔ اُن کا محبوب مشغلہ درس وتدریس تھا۔ انہوں نے اپنی بہت سی یادگاریں چھوڑی ہیں، ان میں ہدایہ، مطول اور ملا جلال کے حواشی خاص اہمیت رکھتے ہیں۔ ان سب کے علاوہ ان کا سب سے بڑا کارنامہ فتاویٰ عالمگیری کی تالیف میں شرکت ہے، آمدنامہ میں ہے:

''تالیف فتاویٰ عالمگیری شرکت داشتند''۔ (بحوالہ فتاویٰ عالمگیری کے مؤلفین ص:۹۴)

''نزہۃ الخواطر، ج:۵، ص:۶۷۴'' میں ہے:

''وکان ابو الواعظ من مصنفی الفتاویٰ الهندية''۔

۱۴......مفتی ابوالبرکات دہلویؒ:

فتاویٰ عالمگیری کے مرتبین کی طویل فہرست میں دہلی کے مفتی ابوالبرکات بن حسان الدینؒ بھی شامل ہیں۔ مفتی ابوالبرکاتؒ کا شمار اس زمانے کے کبار فقہاء حنفیہ میں ہوتا تھا۔ فقہی مسائل سے متعلق ان کی تصنیف ''مجمع البرکات'' کے نام سے ہے۔ عالمگیرؒ کے زمانے میں وہ مسندِ افتاء پر فائز ہوئے۔

''نزہۃ الخواطر، ج:۶، ص:۶۸۲'' میں ہے:

''وهو من مصنفی الفتاویٰ الهندية''۔

۱۵......شیخ احمد بن ابی منصور گوپامئویؒ:

مولانا موصوف گوپامئو کے علمی خطے میں پیدا ہوئے، اپنے والد شیخ ابوالمنصورؒ اور علامہ احمد بن سعید امیٹھویؒ (المعروف بہ ملاجیون) سے علم حاصل کیا۔ ہمیشہ علمی مباحث میں مشغول رہتے، علم فقہ واصول اور علوم عربیہ کے نامور عالم تھے، اسی بنا پر عالمگیرؒ نے فتاویٰ کی ترتیب کے لئے ان کی خدمات حاصل کیں، چنانچہ ''نزہۃ الخواطر، ج:۶، ص:۲۹۲'' میں ہے:

''واستخدم فی تالیف الفتاویٰ الهندية''۔

۱۶......مولانا عبدالفتاح صمدانیؒ:

شیخ ابوالفرح عبدالفتاح بن ہاشم صمدانیؒ کا شمار دورِ گزشتہ کے مشاہیر فقہائے ہند میں ہوتا ہے۔ فتاویٰ عالمگیری کی تالیف میں اہم علمی وفقہی خدمات انجام دیں، چنانچہ ''نزہۃ الخواطر، ج:۶، ص:۵۲۷'' میں

ہے: ''وشارک العلماء فی تصنیف الفتاویٰ الهندیة وبذل جهده فیه''۔

۱۷......قاضی عصمت اللہ لکھنویؒ:

اٹھارہ واسطوں سے ان کا سلسلۂ نسب شہرۂ آفاق صوفی، ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ سے جاملتا ہے۔ قاضی عصمت اللہؒ بڑے فاضل آدمی تھے۔لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔علوم وفنون میں مہارت حاصل کی۔ قاضی صاحبؒ بڑے سخی اور فیاض تھے، روزانہ ۲۰۰ طلباء کو کھانا کھلاتے اور رمضان میں روزانہ ایک ہزار افراد کو اپنے ذاتی باورچی خانہ سے کھلاتے۔ فتاویٰ عالمگیری کی تصنیف میں شریک رہے، جیسا کہ ''نزہۃ الخواطر، ج:۶،ص:۶۲۷'' میں ہے:

''وکان من مصنفی الفتاویٰ الهندیة''۔

۱۸......قاضی محمد دولت فتح پوریؒ:

قاضی محمد دولتؒ، موضع سہالی میں پیدا ہوئے، وہیں پرورش پائی اور شیخ قطب الدین بن عبد الحلیم سہالویؒ سے علم حاصل کیا، وہاں سے دہلی گئے اور تصنیف فتاویٰ کا کام انجام دیا۔''نزہۃ الخواطر، ج:۶،ص:۸۱۶'' میں ہے:

''ودخل فی زمرة مؤلفی الفتاویٰ الهندیة''۔

۱۹......مولانا محمد سعید سہالویؒ:

ملاسعیدؒ، ملا قطب الدین سہالویؒ کے منجھلے صاحبزادے تھے۔تعلیم کی تکمیل اپنے والد ہی سے کی اور عرصہ تک والد کے ساتھ درس وتدریس کا مشغلہ رکھا۔ والد کی شہادت کے بعد عالمگیرؒ کے دربار سے تعلق رکھا اور فتاویٰ کی تالیف میں شریک رہے۔''نزہۃ الخواطر، ج:۶،ص:۸۱۹'' میں ہے:

''له مشارکة فی تالیف الفتاویٰ الهندیة''۔

۲۰......شیخ محمد غوث کاکوریؒ:

مولانا موصوف ۱۰۵۶ھ میں پیدا ہوئے۔مکتبی تعلیم کے بعد ملا محمد زمانؒ، ملا ابوالواعظؒ اور مولانا قطب الدین سہالویؒ سے علم حاصل کیا، پھر دہلی چلے گئے۔ عالمگیرؒ ان کا بڑا اعزاز کرتے تھے اور حدیث میں خاص طور سے ان سے استفادہ کیا تھا۔ فتاویٰ کی تصنیف میں ان کا بھی ہاتھ ہے، چنانچہ ''نزہۃ الخواطر، ج:۶،ص:۸۳۲'' میں ہے:

''ولی تدوین الفتاویٰ الهندیة فدخل فی زمرة مؤلفیها''۔

۲۱......مفتی محمد اکرم لاہوریؒ:

پہلے بتایا گیا کہ فتاویٰ عالمگیری کی تدوین کا کام ابتداء میں جن علماء کے سپرد کیا گیا، ان میں مفتی محمد اکرم لاہوریؒ بھی تھے۔ یہ مفتی محمد اکرم لاہوریؒ کون تھے؟ غالباً یہ وہی ہیں جنہیں تذکرہ نویسوں نے مفتی قاضی محمد اکرم دہلویؒ تحریر کیا ہے۔ معلوم یہ ہوتا ہے کہ یہ اصلاً لاہوری تھے، بعد میں دہلی تشریف لے گئے۔ عظیم فقہاء میں سے تھے۔ (برصغیر میں علم فقہ، ص:۳۳۶)

اکابر علماء سے علم وافتاء کے وارث بنے۔ طویل عرصے تک دہلی میں مسند افتاء پر فائز رہے، پھر اورنگ آباد میں مسند قضا پر متمکن کیے گئے، تمام عمر اس منصب پر فائز رہے۔ ان کی وفات ۱۱۱۶ھ میں ہوئی۔

۲۲......شاہ عبدالرحیم دہلویؒ:

حضرت شاہ ولی اللہؒ کے والد ماجد حضرت شاہ عبدالرحیم دہلویؒ فتاویٰ عالمگیری کے باقاعدہ مرتبین میں تو شامل نہ تھے، البتہ اس کی ترتیب وتدوین کے بعد اس پر نظر ثانی میں ان کا حصہ ہے۔ (برصغیر میں علم فقہ، ص:۳۲۸)

۲۳......ملا فصیح الدین پھلواریؒ:

مولانا موصوف پھلواری میں پیدا ہوئے، وہیں پرورش پائی اور علم حاصل کیا، اس کے بعد دہلی آئے اور ملا جیونؒ سے علم حاصل کیا، پھر اپنے وطن واپس آکر درس وتدریس میں مشغول ہوگئے۔

ان کا ذکر مرتب فتاویٰ کی حیثیت سے کسی تذکرے میں مرقوم تو نہیں، البتہ اپریل ۱۹۴۷ء کے ''معارف'' (اعظم گڑھ) میں ان کا ذکر ملتا ہے، چنانچہ ملا فصیح الدینؒ کے صاحبزادے، ملا صبیح الدینؒ کے نام سلطان عالمگیرؒ کی طرف سے جو فرمان تھا، اس میں اس کا ذکر ملتا ہے، فرمان میں ہے:

> ''دریں وقت میمنت اقتران، فرمان والا شان، واجب الاذعان صادر شد کہ یک روپیہ یومیہ از خزانہ بلدہ عظیم صوبہ بہار و یک صد وبست بیگہ زمین از پرگنہ پھلواری، مضاف صوبہ بہار در مدد معاش بصلائے تدوین فتاویٰ بنام ملا شیخ فصیح الدینؒ مقرر بود''۔ (معارف اعظم گڑھ، اپریل ۱۹۴۷ء ص:۲۹۵)

۲۴......قاضی سید عنایت اللہ مونگیریؒ:

بعض حضرات نے قاضی عنایت اللہ مونگیریؒ کو بھی مدوِّنین فتاویٰ میں شامل کیا ہے، چنانچہ اکتوبر ۱۹۴۷ء کے ''معارف'' (اعظم گڑھ) میں اس سلسلے میں کافی معلومات بیان کی گئی ہیں، لکھا ہے:

> ''عام طور پر مشہور ہے کہ مونگیر کے ایک عالم بھی فتاویٰ عالمگیری کی تدوین میں

شریک تھے، لیکن خاندانی روایات کی بنا پر باوثوق کہا جاسکتا ہے کہ محکمۂ قضا میں آنے سے قبل وہ اس مجلس تدوین کے رکن تھے''۔ (معارف اعظم گڑھ، اکتوبر ۱۹۴۷ء ص: ۲۸۸)

۲۵...... مولانا محمد شفیع سرہندیؒ:

مولانا محمد شفیع سرہندیؒ عہد عالمگیری کے ممتاز عالم تھے۔ عالمگیرؒ کو اُن سے بڑی عقیدت تھی۔ جب فتاویٰ کی تالیف کا کام شروع ہوا تو عالمگیرؒ نے مولانا موصوف کی خدمات بھی حاصل کیں، جس کی شاہی سند ان کے خاندان میں اب تک محفوظ ہے۔ (فتاویٰ عالمگیری کے مؤلفین، ص: ۱۰۷)

۲۶...... ملا وجیہہ الربؒ:

ان کا تذکرہ تاریخ کی کتابوں میں نہیں ملتا، فرمان شاہی کی اس عبارت سے جو مولانا محمد شفیعؒ سے تعلق رکھتی ہے، پتا چلتا ہے کہ مولوی محمد شفیعؒ کے ساتھ یہ بھی فتاویٰ کی تصنیف میں شریک تھے، عبارت یہ ہے:

''بشرط جمع فتاویٰ عالمگیری بھراہی شیخ وجیہ الرب مرحوم در وجہ معاش محمد شفیعؒ ولد شریف محمد مقرر بود''۔ (فتاویٰ عالمگیری کے مؤلفین، ص: ۱۰۹)

۲۷...... ملا غلام محمدؒ:

مارچ ۱۹۴۸ء کے ''معارف'' میں ملا غلام محمدؒ قاضی القضاۃ کے متعلق لکھا گیا ہے کہ وہ بھی مؤلفین فتاویٰ میں ہیں اور ایک قلمی کتاب ''آثارِ اشرف'' کا حوالہ بھی دیا گیا ہے، لیکن کوشش کے باوجود وہ کتاب دستیاب نہ ہوسکی۔ (فتاویٰ عالمگیری کے مؤلفین، ص: ۹۸)

۲۸...... علامہ ابو الفرحؒ:

''حیات جلیل ص: ۱۳'' میں ہے:

''امیر میران علامہ ابو الفرحؒ معروف بہ سید معدن، جو فتاویٰ عالمگیری کی ترتیب وتالیف میں دیگر علماء کے دست وبازو تھے''۔

مؤلف نے کسی مآخذ کا حوالہ نہیں دیا ہے، اس لئے قطعی طور سے فتاویٰ کی تدوین میں ان کی شرکت کے متعلق کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ (فتاویٰ عالمگیری کے مؤلفین، ص: ۹۷)

فتاویٰ عالمگیری کے ترجمے:

فتاویٰ عالمگیری، ممتاز علماء کی شب وروز محنت کے بعد منصۂ شہود پر آئی۔ کتاب عربی میں لکھی گئی، جس کی وجہ سے تمام لوگ اس سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے تھے، ان کی آسانی کے لئے اورنگزیب عالمگیرؒ نے چلپی عبداللہ اور ان کے شاگردوں کو اس کے فارسی ترجمے کے لئے مامور کیا۔

''نزہۃ الخواطر، ج:۵،ص:۵۸۰'' میں ہے:

''وأمر بترجمة الفتاوىٰ الهندية''۔

''تبصرۃ الناظرین'' میں ہے:

''وچلپی عبداللہ بترجمۂ آں (فتاویٰ عالمگیری) مامور بود''۔ (فتاویٰ عالمگیری کے مؤلفین،ص:۹۹)

اس کے بعد قاضی القضاۃ نجم الدین علی کا کورویؒ کا ایک اور فارسی ترجمہ مع مختصر شرح کے معرض وجود میں آیا، لیکن یہ صرف کتاب الجنایات ہی پر مشتمل ہے۔''نزہۃ الخواطر، ج:۷،ص:۱۱۲۱'' میں ہے:

''لـه مصنفات، منها شرح بسيط بالفارسي على كتاب الجنايات من الفتاوى الهندية''۔

اس کے علاوہ فتاویٰ عالمگیری کا اُردو ترجمہ بھی ہو چکا ہے، یہ ترجمہ مولانا سید امیر علی ملیح آبادی کا ہے۔اس کی عظیم خصوصیت یہ ہے کہ شروع میں فاضل مترجم نے ایک مبسوط اور مفصل مقدمہ تحریر کیا ہے، جو نہایت محققانہ اور عالمانہ ہے، اس میں انہوں نے واضح کیا ہے کہ فتاویٰ عالمگیری میں کون کون سے فتاویٰ، علمی اور فقہی اعتبار سے قابل اعتماد نہیں۔''نزہۃ الخواطر، ج:۸،ص:۱۱۹۶'' میں بھی اس کا ذکر موجود ہے، چنانچہ مصنفؒ فرماتے ہیں:

''له مصنفات عديدة...... ومنها ترجمة الفتاوىٰ العالمگيرية''۔

اختتامیہ:

مندرجہ بالا سطور سے فتاویٰ عالمگیری کی تالیف کے سلسلے میں علماء وفقہاء کی محنت اور عرق ریزی واضح ہوتی ہے، اس کے ساتھ ساتھ بادشاہِ وقت اورنگزیب عالمگیرؒ کی دلچسپی اور اشتیاقِ علم کا بھی پتہ چلتا ہے۔انہی مساعیٔ جمیلہ اور جانفشانی کا نتیجہ ہے کہ یہ کتاب فقہی دنیا میں مقبول عام ہے، جو عنداللہ مقبولیت کی علامت ہے۔

فجزاهم الله سبحانه وتعالىٰ عنا وعن سائر المسلمين خير الجزاء وجعل سعيهم مشكورا في الاولىٰ والآخرة آمين-

مصادر ومراجع:

۱-نزہۃ الخواطر (الإعلام بمن في تاریخ الہند من الأعلام) مولانا عبدالحی حسنی لکھنویؒ۔

۲-برصغیر میں علم فقہ، مولانا اسحاق بھٹی۔

۳-فتاویٰ عالمگیری کے مؤلفین، مولانا نجیب اللہ ندوی۔

۴-معارف (اعظم گڑھ) ندوۃ المصنفین کا ماہنامہ رسالہ۔

اقوالِ زریں امام غزالیؒ قدس سرہ

(۴)

ترتیب: مولانا قاری عطاء الرحمٰن اعوان، ڈیرہ اسماعیل خان

حضرت امام غزالیؒ قدس سرہ کا اپنے شاگرد کو خط کا جواب اور امام الزاہدین، سراج السالکین حضرت مولانا قاضی محمد زاہد الحسینی رحمۃ اللہ علیہ کی جانب سے کیئے گئے اُس کے ترجمہ سے انتخاب۔

۱۷......ضرورتِ مرشد:

۱......اس قسم کے ہادی، شیخ اور مرشد کا ہونا ضروری ہے، جو ردی اخلاق وعادات نکال کر عمدہ اخلاق وعادات پیدا کرے۔

۲......مرشد کی مثال اس طرح ہے، جیسا کہ کاشتکار ناقص اور ردی زمین سے پہلے کانٹے اور گھاس وغیرہ نکالتا ہے، تاکہ اس میں جو تخم بویا جائے وہ اچھی طرح بار آور ہو، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی تربیت کے لئے جناب سرکار دو عالم ﷺ کو مبعوث فرمایا۔ جب حضور انور ﷺ اس دنیا سے تشریف لے گئے، تو خلفاء راشدینؓ تربیت کے سلسلے میں آپ ﷺ کے قائم مقام قرار پائے۔

۱۸......شیخ اور مرشد کیسا ہو؟

ہر وہ عالم دین اس نیابت وخلافت کا مستحق ہوسکتا ہے، جس میں درج ذیل شرائط پائے جائیں:

۱......اس کے دل میں دنیاوی اغراض اور جاہ وجلال کی طلب نہ ہو۔

۲......وہ کسی عالم باعمل سالک کا تربیت یافتہ اور مجاز ہو اور اس کا سلسلۂ طریقت اس مرشد سے لے کر جناب سرکارِ دو عالم ﷺ تک پہنچتا ہو۔

۳......وہ قلت طعام، قلت کلام، قلت منام پر عمل پیرا ہو۔

۴......فرائض نماز کے علاوہ نوافل پڑھنے والا، مالی صدقات کرنے والا، فرض روزوں کے

علاوہ نفل روزے بھی بکثرت رکھنے والا ہو۔

۵......عمدہ اخلاق سے مزین ہو، یعنی صبر وشکر، توکل ویقین، قناعت اور بردباری، تواضع وحلم، سچ بولنا، حیاء، ایفائے عہد، خودداری، ضبط وتدبیر جیسی صفات حسنہ کا حامل ہو۔ ایسا شیخ اور مرشد سنگ پارس ہے۔

۱۹......شیخ ومرشد کا احترام:

۱......جب ایسا شیخ ومرشد اور پیر کامل دستیاب ہو جائے تو بغرض اصلاح اس کے ہاتھ میں ہاتھ دینے سے گریز نہ کرے اور عزت واحترام میں کوتاہی نہ کرے۔

۲......اپنے شیخ کے ساتھ مسائل میں بحث ومناظرہ نہ کرے، اگرچہ بظاہر اس کی بات سمجھ میں نہ آئے۔

۳......نماز میں اپنے شیخ سے آگے جائے نماز نہ بچھائے، اگر بحکم شیخ امامت کرانا ہو تو فراغت کے فوراً بعد جائے نماز چھوڑ کر آگے سے ہٹ جائے۔

۴......شیخ کے سامنے نوافل نہ پڑھے، کیونکہ اس سے خودنمائی کا پہلو نکلتا ہے۔

۵......جس بات کا شیخ حکم دے، اُس کو اپنی طاقت کے مطابق پورا کرے۔

۶......جو بات اور حکم اپنے شیخ سے سنے تو اس پر عمل بھی کرے اور دل سے بھی صحیح سمجھے، اگر دل سے اس کو بوجھ اور غیر مناسب سمجھا تو اس سے نفاق پیدا ہو جائے گا۔

۷......اگر کسی وجہ سے اپنے شیخ کی اطاعت نہ کر سکے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ اس کی بیعت چھوڑ دے، ورنہ فائدہ کے بجائے نقصان ہوگا۔

۸......اس کی بیعت چھوڑنے کے بعد بھی اس کا ادب کرے، اس کی غیبت نہ کرے اور عیب نہ لگائے۔

۲۰......مرید کے لئے دو صفات کا ہونا ضروری ہے:

۱......پہلی صفت استقامت ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ جو وعدہ اللہ تعالیٰ سے اطاعت وفرمانبرداری کا کیا ہے، اُس پر پورا اُترے، یعنی اپنی خواہشات نفسانیہ کو اللہ تعالیٰ کے ارشاد پر قربان کردے۔

۲......دوسری صفت سکون ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق کے ساتھ شفقت وایثار کا برتاؤ کرے، ان کی ضروریات کو اپنی ضرورت پر ترجیح دے۔ اللہ تعالیٰ کی مخلوق کی خدمت کو

فوقیت دے، اپنے کام اس وجہ سے اگر ادھورے رہ جائیں تو فکر نہ کرے، بشرطیکہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق کے اغراض ومقاصد خلافِ شریعت نہ ہوں۔ غیر شرعی اُمور میں مخلوق کو خوش کرنا دین وشریعت اور سلوک وتصوف کے خلاف ہے۔

۳......اللہ تعالیٰ کا بندہ بننا، اس کا مطلب یہ ہے کہ: (۱) شریعت کے احکام کی نگہداشت رکھنا۔ (۲) اللہ تعالیٰ نے جو فیصلہ کسی کے متعلق یا اس کے متعلق فرمایا ہے، اُس پر راضی ہونا۔ (۳) اپنے نفس کی پیروی کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے مقابلہ میں چھوڑ دینا۔

۲۱......توکل واخلاص:

۱......توکل کا مطلب یہ ہے کہ اس بات پر پختہ یقین ہونا چاہئے کہ جو چیز اللہ تعالیٰ نے تیرے لئے مقدر فرمادی ہے، وہ تجھے ضرور مل کر رہے گی، اگرچہ ساری مخلوق اس کو تجھ تک پہنچانے میں رکاوٹ پیدا کرے اور جو چیز اللہ تعالیٰ نے تیرے مقدر میں نہیں فرمائی، وہ ہرگز تجھے نہیں مل سکے گی، اگرچہ ساری مخلوق اس چیز کو تجھ تک پہنچانا چاہے۔

۲......اخلاص کا مطلب یہ ہے کہ تیرے سب اعمال اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے ہوں اور اس کی علامت یہ ہے کہ کسی کی تعریف سے دل خوش نہ ہو اور کسی کی مذمت سے دل تنگ نہ ہو۔

۳......اخلاص کو ختم کرنے والی چیز ریاکاری ہے اور یہ بیماری اس وقت پیدا ہوتی ہے، جب لوگ اس کی تعظیم کرنے لگ جائیں۔ اس کا علاج یہ ہے کہ لوگوں کو بے اختیار سمجھ لینا چاہئے کہ وہ لوگ نہ تو تعریف کرکے فائدہ پہنچا سکتے ہیں اور نہ ہی تکلیف پہنچا سکتے ہیں، یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے سمجھ لیا جائے تو پھر ریاکاری سے بچنا آسان ہوجاتا ہے۔

۴......دین کے جو احکام معلوم ہیں، اُن پر عمل کی برکت سے وہ باتیں خود بخود معلوم ہوجائیں گی جو تا حال معلوم نہیں، تو اس لئے کثرتِ سوال سے اجتناب کرنا چاہئے اور یہ حالت اس وقت حاصل ہوسکتی ہے جب سیر کو معمول بنالیا جائے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''کیا وہ نہیں چلے پھرے زمین میں، تاکہ دیکھ لیتے''۔ (الروم:۹)

۲۲......روحانی سیر:

۱......سیر کرنے سے ہر منزل میں عجائبات کا مشاہدہ ہوتا ہے، مگر اس سیر میں اپنی روح کو کام میں لایا جائے، جیسا کہ حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے: ''اگر تو روح سے کام لینے پر قدرت رکھتا ہے تو پھر میدان میں آجا، اگر یہ نہ کرسکے تو پھر صوفیاء کے اشتغال کی طرف متوجہ نہ ہو۔ (جاری ہے)

تصویر کی حرمت قرآن وسنت کی روشنی میں

جناب سخی داد خوستی صاحب

(۴)

دوسری غور طلب بات: یہ ہے کہ جن تصویروں کا استعمال شرعاً ممنوع نہیں ہے، جیسے سرکٹی ہوئی تصویریں، کیا یہ بھی دخول ملائکہ کے لئے مانع ہیں یا نہیں؟ امام نوویؒ کی تحقیق یہ ہے کہ یہ بھی مانع ہیں اور جواز کا فائدہ صرف یہ ہے کہ اس کے استعمال کرنے والا گناہ گار نہیں ہوگا۔ مگر جمہور محققین علماء نے اس بات کو ترجیح دی ہے کہ اس کے استعمال کی اجازت شریعت نے دی ہے، وہ ملائکۂ رحمت کو مکان میں داخل ہونے سے مانع نہیں ہوتیں، جیسے کہ حدیث نمبر: ۱۵ میں حضرت جبریل علیہ السلام نے خود اس مانع کو رفع کرنے کے لئے یہ تدبیر بتلائی کہ یا تصویر کا سر کاٹ دیا جائے اور یا کسی پامال جگہ پر ڈال دیا جائے۔

تیسری بات: جو غور طلب ہے، وہ یہ کہ جس گھر میں تصویر ہو یا کتا ہو، اس میں فرشتے داخل نہیں ہوتے، اس کی علت کیا ہے؟ ملا علی قاریؒ نے تصویر کی حرمت کی علت یہ بتائی ہے کہ تصویر ان چیزوں میں سے ہے جن کی عبادت کی جاتی ہے اور کتے میں علت یہ بتائی ہے کہ بعض کتوں کو شیطان کہا گیا ہے اور فرشتے شیطان کی ضد ہیں اور یہ کہ کتا مردار کھاتا ہے اور اس سے بدبو پھیلتی ہے اور فرشتوں کو مردار اور بدبو سے نفرت ہوتی ہے۔ (مرقاۃ المفاتیح، ج:۸،ص:۲۶۶)

فائدہ:۶...... حدیث نمبر:۱۸ میں لفظ ''تصالیب'' جمع ہے ''تصلیب'' کی اور ''تصلیب'' اس چیز کو کہتے ہیں جس پر صلیب کی شکل بنائی گئی ہو، اس معنی کے اعتبار سے اس سے یہ مسئلہ ثابت ہوا کہ جس طرح جاندار چیزوں کی تصویر گھر میں رکھنا حرام ہے، اسی طرح بے جان چیزوں میں بھی جن کی پرستش ہوتی ہے، جیسے ''صلیب'' اس کو بھی گھر میں رکھنا ناجائز ہے۔ اور بعض علماء نے کہا ہے کہ اس حدیث میں لفظ ''تصالیب'' سے مراد ''تصاویر'' ہیں، جیسے کہ بخاری کے الکشمیہنی کے نسخہ میں

''تصالیب'' کی جگہ''تصاویر'' منقول ہے۔ (عمدۃ القاری، ج:۱۵،ص:۱۲۵)

فائدہ:۷...... حدیث نمبر: ۱۹ سے تصویر کے حرام ہونے کی ایک بڑی وجہ بتلائی ہے کہ وہ شرک و بت پرستی کا ذریعہ ہے۔

فائدہ:۸...... حدیث نمبر: ۲۴ میں جو عورت مسئلہ پوچھنے کے لئے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی، اس نے مسئلہ پوچھنے سے پہلے یہ عرض کیا کہ میرا شوہر کسی غزوہ میں ہے۔ اس میں اس بات کا عذر بیان کرنا تھا کہ میں خود پوچھنے کے لئے بوجہ مجبوری آئی ہوں، کیونکہ میرا شوہر غائب ہے، اگر وہ حاضر ہوتا تو مسئلہ وہ پوچھتا اور نبی کریم ﷺ نے اس کو گھر میں کھجور کا درخت بنانے سے منع کیا، حالانکہ کھجور بے جان چیز ہے، اس کی تصویر بنانے کی اجازت ہے۔ اس ممانعت کی وجہ یہ تھی کہ اس میں نفع نہیں تھا اور بالآخر یہ صرف لہو ولعب کی چیز بن جاتی تو اس کا چھوڑنا بہتر تھا۔

تصویر کی حرمت پر امت کا اجماع ہے:

۱...... امام بخاریؒ نے اپنی کتاب میں ایک باب باندھا ہے: ''**هل يرجع إذا رأى منكراً في الدعوة**'' یعنی اگر کسی نے دعوت طعام میں کوئی گناہ دیکھا تو کھانا چھوڑ کر واپس چلا جائے گا یا نہیں؟ تو انہوں نے اس باب میں یہ لکھا ہے:

''**ورأى ابن مسعودؓ صورة في البيت فرجع**''۔ (بخاری،ص:۷۷۸)

ترجمہ:...... ''حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے (میزبان کے) گھر میں تصویر دیکھی تو (کھانا کھائے بغیر) واپس چلے گئے۔

۲...... علامہ محمد بن احمد الذہبیؒ نے تحریر کیا ہے:

''**الكبيرة الثامنة والأربعون التصوير في الثياب والحيطان والحجر والدراهم وسائر الأشياء سواء كانت شمعاً أو عجيناً أو حديداً أو نحاساً أو صوفاً او غير ذلك والأمر بإتلافها**''۔ (الکبائر،ص:۲۰۸)

ترجمہ:...... ''اڑتالیسواں گناہ کبیرہ تصویر ہے کپڑوں، دیواروں، پتھروں، سکوں میں اور اس کے علاوہ دیگر چیزوں میں۔ پھر برابر ہے خواہ موم سے ہو یا گوندھا ہوا آٹا یا لوہا یا تانبا یا اون یا اس کے علاوہ کوئی اور چیز ہو، اس کے تلف کرنے (یعنی توڑنے، پھاڑنے اور مٹانے) کا حکم دیا گیا ہے۔

۳...... علامہ نوویؒ تحریر فرماتے ہیں:

''ہمارے مذہب اور دیگر مذاہب کے علماء نے فرمایا ہے کہ جاندار کی تصویر بنانا سخت حرام ہے اور یہ کام کبیرہ گناہوں میں سے ہے، کیونکہ اس پر احادیث میں بڑی سخت وعیدیں وارد ہوئی ہیں تو تصویر کا بنانا تو ہر حال میں حرام ہے، خواہ وہ تذلیل کے لئے بنائی گئی ہو یا تعظیم کے لئے، کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ کی صفت خالقیت میں مشابہت ہے اور یہ گناہ تصویر بنانے والے کے لئے ہر صورت میں ثابت ہے، خواہ اس نے تصویر کپڑے پر بنائی ہو یا بچھونے پر، دینار پر بنائی ہو یا درہم پر، برتن پر بنائی یا دیوار پر یا کسی اور چیز پر۔ اور جن چیزوں میں روح نہیں ہے، جیسے درخت اور اونٹ کا کجاوہ تو ان کی تصویر بنانا حرام نہیں ہے۔ یہ تو تصویر بنانے کا حکم ہے، لیکن جاندار تصویر کے استعمال میں یہ تفصیل ہے، اگر وہ دیوار پر لٹکائی گئی ہو یا پہنے ہوئے کپڑے یا پگڑی میں ہو یا کسی اور ایسی چیز میں ہو جس میں تصویر کی تحقیر و تذلیل نہ ہوئی ہو تو تصویر کا یہ استعمال حرام ہے اور اگر وہ اس بچھونے میں ہو جو پاؤں سے روندا جاتا ہو اور اس کی تذلیل کی جاتی ہو تو یہ حرام نہیں ہے، مگر اس قسم کی تصویریں فرشتوں کو گھروں میں داخل ہونے سے منع کرتی ہیں یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے، پھر اس تصویر کا سایہ ہو یا نہ ہو، اس کے گناہ میں کوئی فرق نہیں ہے، اور بعض لوگوں نے جو یہ کہا ہے کہ یہ حرمت اس تصویر کی ہے، جس کا سایہ ہو اور جس کا سایہ نہ ہو وہ تصویر حرام نہیں ہے، یہ مذہب باطل ہے، کیونکہ وہ پردہ جس میں تصاویر تھیں، جس کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے نکیر فرمائی، یقینی بات ہے کہ ان کا سایہ نہ تھا۔ دوسری بات یہ ہے کہ احادیث میں مطلق تصویر کی حرمت بیان ہوئی ہے، اس میں سایہ کا کوئی اشارہ تک نہیں ہے۔

یہ خلاصہ ہے ہمارے مذہب کا مسئلۂ تصویر میں اور یہی مذہب ہے جمہور علماء کا، صحابہؓ و تابعینؒ کا اور ان کے بعد کے علماء کا اور یہی مذہب ہے امام ثوریؒ، امام مالکؒ اور امام ابوحنیفہؒ اور دیگر ائمہ کا''۔ (شرح مسلم، ج:۲، ص:۱۹۹)

۴..... حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری، ج:۱۰، ص:۳۱۵ میں علامہ نوویؒ کی توثیق کی ہے۔

۵..... علامہ بدرالدین عینیؒ نے عمدۃ القاری، ج:۱۵، ص:۱۲۴ میں توضیح کے حوالے سے نوویؒ کے قریب مضمون نقل کیا ہے۔

۶..... ملا علی القاریؒ نے مرقاۃ المفاتیح، ج:۸، ص:۲۶۶ میں بعینہ علامہ نوویؒ کا مضمون

تحریر کیا ہے، مگر حوالہ کسی کا نہیں دیا ہے۔

۷..... علامہ ابن عابدینؒ اپنی مشہور کتاب ''رد المحتار'' میں لکھتے ہیں:

''وتکره التصاوير على الثوب صلى فيه أولا وهذه الكراهة تحريمية وظاهر كلام النوويؒ في شرح المسلم الإجماع على تحريم تصوير الحيوان''۔ (رد المحتار، ج:۱،ص:۶۴۷)

ترجمہ:...... ''کپڑوں پر تصویریں مکروہ ہیں، خواہ اس میں نماز پڑھے یا نہ پڑھے اور اس مکروہ سے مراد مکروہ تحریمی ہے۔ نوویؒ نے شرح مسلم میں تصاویر کے متعلق جو بیان کیا ہے، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ جاندار کی تصویر کی حرمت پر اجماع ہے''۔

۸...... سعودی عرب کے بہت مشہور بڑے مفتی ومحدث شیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن بازؒ نے تصویر کے موضوع پر ''الجواب المفيد في حكم التصوير'' کے نام سے ایک رسالہ لکھا ہے، اس میں انہوں نے ۱۹ احادیث ذکر کرنے کے بعد یہ لکھا ہے:

''وفي هذه الأحاديث وماجاء في معناها دلالة على تحريم التصوير لكل ذي روح وأن ذلك من كبائر الذنوب المتوعد عليها وهي عامة الأنواع التصوير سواء كان للصورة ظل أم لا، سواء كان التصوير في حائط أو ستر أو قميص أو مرآة أو قرطاس وغير ذلك، لأن النبي ﷺ لم يفرق بين ماله ظل وغيره ولابين ما جعل في ستر وغيره بل لعن المصورين وأخبر أن المصورين أشد الناس عذاباً يوم القيامة وأن كل مصور في النار وأطلق ذلك ولم يستثن شيئاً''۔

(الجواب المفيد في حكم التصوير،ص:۱۰)

ترجمہ:...... ''مذکورہ احادیث اوران کے علاوہ وہ احادیث جوان کے معنی کے مطابق ہیں، یہ سب جاندار کی تصویر کی حرمت پر صراحتاً دلالت کرتی ہیں اور اس بات پر بھی کہ تصویران بڑے گناہوں میں سے ہے جن پر وعید آئی ہے۔ تصویر کے اس حکم میں اس کی ساری اقسام داخل ہیں، خواہ سائے والی ہو یا بغیر سائے کے، پھر یہ تصویر دیوار میں ہو یا پردہ، قمیص، شیشہ میں ہو یا کسی اور چیز میں ہو، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے سایہ دار اور غیر سایہ دار تصویر میں کوئی فرق

نہیں کیا ہے اور نہ ہی پردے اور غیر پردے کا کوئی فرق کیا ہے، بلکہ مطلق مصور پر لعنت بھیجی ہے اور آپ ﷺ نے اس بات کی خبر دی ہے کہ تصویر بنانے والے قیامت کے دن سخت عذاب میں مبتلا ہوں گے اور اس مطلق حکم سے کوئی چیز مستثنیٰ نہیں کی ہے''۔

۹......شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ نے علامہ نوویؒ کی پوری عبارت نقل کرنے کے بعد زرقانیؒ کے حوالے سے ابن العربیؒ کا یہ قول نقل کیا ہے:

''فإن كانت ثابتة الهيئة قائمة الشكل حرم وإن قطعت الرأس وتفرقت الأجزاء جاز، هذا هو الأصح''۔ (اوجز المسالک، ج:۶،ص:۳۹۱)

ترجمہ:......''اگر تصویر کی ہیئت اور شکل درست ہو تو حرام ہے اور اگر اس کا سر کاٹا گیا ہو اور بدن کے اجزاء کو الگ الگ کر دیا گیا ہو، پھر جائز ہے، یہ سب سے صحیح مسلک ہے''۔

۱۰......حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ نے ۱۳۳۸ھ میں تصویر کے موضوع پر ایک مفصل مقالہ لکھا جو ماہنامہ ''القاسم دیوبند'' میں دس قسطوں کے ساتھ شائع ہوا، پھر چودہ سال کے بعد ۱۳۵۲ھ میں اس پر نظر ثانی کر کے رسالہ کی شکل میں ''التصوير لأحكام التصوير'' کے نام سے شائع کیا، پھر چون سال کے بعد ۱۳۹۲ھ میں اس پر دوبارہ نظر ثانی فرمائی اور ''تصویر کے شرعی احکام'' کے نام سے شائع کیا۔ اس رسالہ میں مفتی صاحب نے رسول اللہ ﷺ کی احادیث اور صحابہ کرامؓ کے آثار اور فقہاء و محدثین کے اقوال اور سلف صالحین کے تعامل سے تصویر کی حرمت کو ثابت کر دیا ہے، آپ نے اس رسالہ کے مقدمہ میں فرمایا ہے:

''موجودہ دور میں تصویر زندگی کا جزو بن گئی، دنیا کی کوئی چیز اس سے خالی نہ رہی، عوام و خواص سبھی اس میں مبتلا ہو گئے، بڑے بڑے علماء، فضلاء کی تصاویر اخباروں اور کتابوں کی زینت بنی ہوئی ہیں...... اس ابتلاء عام کا ایک طبعی تقاضا تو مایوسی و خاموشی تھا، مگر دوسرا عقلی تقاضا یہ تھا کہ جس چیز کو رسول اللہ ﷺ کی احادیث متواترہ نے حرام قرار دیا ہے، لوگوں کو آپ ﷺ کے ارشادات سے باخبر کرنے کے لئے پوری جدوجہد کی جائے''۔ (تصویر کے شرعی احکام،ص:۵)

۱۱......شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان دامت فیوضہم فرماتے ہیں:

''جمہور علماء اور فقہائے اسلام کے نزدیک جاندار کی تصویر حرام اور گناہ میں سے ہے،

چاہے وہ سایہ دار مجسم کی شکل میں ہو یا اس کا سایہ نہ ہو۔ (کشف الباری، کتاب اللباس، ص:۳۰۴)

ان گیارہ حوالوں سے یہ ثابت ہوگیا کہ صحابہ کرامؓ، تابعینؒ، تبع تابعینؒ، فقہاء، محدثین، مجتہدینِ احناف، مالکیہ، شوافع، حنابلہ، اہل ظاہر، دیوبندی، بریلوی مقصد یہ کہ قرن اول سے لے کر آج تک سب اہل علم اس پر متفق ہیں کہ جاندار کی تصویر بنانا اور استعمال کرنا حرام ہے، البتہ چودھویں صدی کے چوتھے عشرے میں پورے برصغیر میں صرف ایک مولانا سید سلیمان ندویؒ نے ایک مقالہ تحریر کیا، جس میں انہوں نے یہ عندیہ ظاہر کیا کہ عکسِ تصویر جائز ہے اور غیر عکسی تصویر بھی اگر پوجا پاٹ کے لئے نہ ہو، وہ بھی جائز ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ کے فضل سے حضرت مولانا ندویؒ نے اخیر میں ''رجوع واعتراف'' کے عنوان سے ایک مفصل مقالہ لکھا جو ماہنامہ ''معارف'' اعظم گڑھ محرم الحرام ۱۳۶۲ھ کے شمارے میں شائع فرمایا۔ اس مقالے میں مولانا ندویؒ نے بہت سے نظریات سے رجوع فرمایا، ان میں سے ایک فوٹو کا تھا۔ حضرت مولانا ندویؒ نے انتہائی وضاحت کے ساتھ جواز سے حرمت کی طرف رجوع فرمایا۔ نیز ایسے دور میں مولانا ابوالکلام آزادؒ اگرچہ عقیدتاً فوٹو کے جواز کے قائل نہیں تھے، مگر عملی طور پر اپنا مشہور اخبار ''الہلال'' باتصویر شائع کرتے تھے۔ جب وہ رانچی جیل میں تھے، آپ کے ایک عقیدت مند نے آپ کی سوانح کو بنام ''تذکرہ'' جمع کرکے اس کی اشاعت کا ارادہ کیا تو انہوں نے مولانا آزادؒ کو خط بھیجا کہ مجھے اپنا فوٹو عنایت فرمائیں، جس کو میں اس کتاب کے شروع میں لگانا چاہتا ہوں۔ اس پر مولانا آزادؒ نے جو جواب تحریر فرمایا، وہ خود اسی تذکرہ میں ان الفاظ کے ساتھ شائع ہو چکا ہے:

> ''تصویر کا کھنچوانا، رکھنا، شائع کرنا سب ناجائز ہے، یہ میری سخت غلطی تھی کہ تصویر کھنچوائی اور الہلال کو باتصویر نکالا تھا، اب میں اس غلطی سے تائب ہو چکا ہوں، میری پچھلی لغزشوں کو چھپانا چاہئے، نہ کہ از سرنو ان کی تشہیر کرنا چاہئے''۔ (تصویر کے شرعی احکام، ص:۴)

ان دونوں حضرات کے رجوع کے بعد اب پوری امت مسلمہ کے علماء حق تصویر کی حرمت پر متفق ہیں اور مصر کے چند داڑھی منڈے اور پتلون پہنے ہوئے برائے نام علماء کی جانب سے تصویر کے جواز کا فتویٰ دینے سے اجماعِ امت پر کوئی اثر نہیں پڑتا، کیونکہ ان کا یہ فتویٰ صریح نصوص کے خلاف ہے، اس لئے ان کا یہ فتویٰ بلا ریب باطل ہے۔ (جاری ہے)

☆☆☆

مرحبا سیدی مکی و مدنی ﷺ

مولانا گل نواز ایوبی، فاضل جامعہ

حضرت محمد ﷺ دنیا میں اپنی آمد کے متعلق فرماتے ہیں کہ:

"أنا دعوة إبراهيم وبشارة عيسىٰ ورؤيا أمّي آمنة التي رأت"۔

(المستدرک للحاکم، ج:۲،ص:۴۵۳)

ترجمہ: ...... "میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کا نتیجہ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت کا مصداق ہوں اور اپنی ماں آمنہ کے دیکھے ہوئے خواب کی تعبیر ہوں"۔

دعائے ابراہیمی جس میں حضور علیہ السلام کو مانگا گیا ہے، وہ دعا سورۂ بقرہ کا حصہ ہے اور جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو آپ ﷺ کی آمد و رسالت کی خوشخبری سنائی، وہ بشارت سورۂ صف کی چھٹی آیت کا حصہ ہے اور حضرت آمنہ کے خواب کا ذکر احادیث میں ملتا ہے۔ آپ ﷺ کی آمد و بعثت تمام جہاں کے لئے رحمت و برکت ہے۔ آپ ﷺ کی تعلیم میں حقوق اللہ وحقوق العباد، اخوت و بھائی چارگی کا پہلو نمایاں ہے۔

جس طرح گزشتہ انبیاء کرام علیہم السلام نے آپ ﷺ کی آمد و بعثت کا تذکرہ اپنے اپنے زمانے میں کیا تو دنیا میں آنے کے بعد ہی سے آپ ﷺ کے نبی و رسول ہونے کا تذکرہ اہل علم کی زبانوں پر ہونے لگا، چنانچہ بارہ سال کی ہی کم عمری میں اس زمانے کے مذہبی پیشوانے آپ ﷺ کو دیکھتے ہی آپ ﷺ کی رسالت کی پیشین گوئی کر دی تھی۔ پیشین گوئی کے اس واقعہ کو حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ سیرۃ المصطفی ج:۱،ص:۸۴ میں جامع ترمذی کی روایت سے نقل کرتے ہیں کہ:

"جامع ترمذی میں حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے مروی ہے کہ ایک بار ابو طالب مشائخ قریش کے ساتھ شام کی طرف گئے۔ شام میں جس جگہ جاکر اترے،

وہاں ایک راہب رہتا تھا، اس سے پہلے بھی بارہا اس راہب پر گزر ہوتا تھا، مگر وہ کبھی ملتفت نہ ہوتا تھا۔ اس مرتبہ قریش کا کاروانِ تجارت جب وہاں جا کر اترا تو راہب خلافِ معمول اپنے صومعہ سے نکل کر ان میں آیا اور متجسسانہ نظروں سے ایک ایک کو دیکھنے لگا، یہاں تک کہ حضور ﷺ کا ہاتھ پکڑ لیا اور یہ کہا:

''**هذا سيد المرسلين، هذا رسول رب العالمين، يبعثه الله رحمةً للعالمين**''۔

ترجمہ:...... ''یہی ہے سردارِ دو جہانوں کا، یہی ہے رسول پروردگارِ عالم کا، جس کو اللہ تعالیٰ جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجے گا''۔

آپ ﷺ نے جب شام کا دوسرا سفر کیا تو عمر مبارک پچیس سال تھی۔ اس سفر میں پیش آنے والے ایک واقعہ کو حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ یوں بیان فرماتے ہیں:

'' جب بصریٰ پہنچے تو ایک سایہ دار درخت کے نیچے بیٹھے، وہاں ایک نسطورا نامی راہب رہتا تھا، وہ آپ ﷺ کو دیکھ کر آپ کی طرف آیا اور کہا: '' حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کے بعد سے ابھی تک یہاں آپ کے سوا کوئی اور نبی نہیں اترا۔ پھر آپ ﷺ کے ہمسفر میسرہ سے کہا: ان کی آنکھوں میں یہ سرخی ہے؟ میسرہ نے جواب میں کہا: یہ سرخی آپ ﷺ سے جدا نہیں ہوتی، یہ سن کر راہب بولا: ''**هو هو وهو نبي وهو آخر الانبياء**''۔ ترجمہ: '' یہ وہی ہیں اور یہ نبی ہیں اور آخری نبی ہیں''۔ (سیرۃ المصطفیٰ، ج:۱،ص:۹۵)

جب آپ ﷺ کی عمر مبارک چالیس سال ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل اور رحمت سے آپ ﷺ کو نبوت و رسالت کی خلعت عطا فرمائی۔ بعثت و رسالت کے بعد آپ ﷺ نے اسلام کی دعوت کو مزید دوسروں تک پہنچانا شروع کیا۔ سب سے پہلے اپنے گھر والوں اور اپنے عزیز و اقارب کو اسلام کی دعوت دی۔ رفتہ رفتہ تبلیغ اسلام کا دائرہ بڑھتا چلا گیا اور دوسری طرف دشمنانِ اسلام کا اتحاد مضبوط ہوتا گیا اور وہ اسلام قبول کرنے والوں کو ظلم و ستم کا نشانہ بناتے جاتے، دشمنانِ اسلام نے لوگوں پر قبولیتِ اسلام کا دروازہ بند کیا ہوا تھا، جسے بالآخر حدیبیہ کی صلح نے کھولا۔ بعثت سے صلح حدیبیہ تک اہل اسلام پابندیوں کا شکار رہے۔ حضور ﷺ نے حدیبیہ سے واپس آکر اشاعتِ اسلام کا دائرہ وسیع کرتے ہوئے پڑوسی ممالک تک پہنچا دیا اور اُن ملکوں کے بادشاہوں کے نام قبولیت اسلام کے خطوط لکھنے کا سلسلہ شروع کیا، چنانچہ آپ ﷺ نے پہلا خط قیصر روم کی طرف دحیہ کلبیؓ کو دے کر روانہ فرمایا۔ جواب میں کئی دنوں کے صلاح مشوروں اور سوچ بچار کے بعد قیصر روم نے ایک عظیم الشان دربار منعقد کیا، جس میں روم کے بڑے بڑے عالم بھی تھے، قیصر روم نے درباریوں کو مخاطب کر کے کہا:

''یا معشر الروم! إنی قد جمعتکم لخیر إنه قد أتانی کتاب هذا الرجل یدعونی إلی دینه وإنه واللہ للنبی الذی کنا ننتظره ونجده فی کتبنا فهلموا فلنتبع ولنصدقه نتسلم لنا دنیانا وآخرتنا''۔ (بحوالہ سیرۃ المصطفی)

آپ ﷺ نے بادشاہ حبشہ نجاشی کو بھی خط لکھا اور نجاشی نے خط کا جواب دیا اور حضور ﷺ کی رسالت کی گواہی یوں دی:

''فأشهد أنک رسول اللہ صادقا مصدقا...... فإنی أشهد أن ماتقول حق والسلام علیک یا رسول اللہ!''۔ (بحوالہ سیرۃ المصطفی، ج:۲،ص:۱۷-۱۸)

ترجمہ:...... ''میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے سچے رسول ہیں...... اور میں گواہی دیتا ہوں کہ جو آپ فرما رہے ہیں وہ حق ہے، یا رسول اللہ! آپ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے سلامتی ہو''۔

آپ ﷺ نے شاہِ مصر مقوقس کے نام نامۂ مبارک حضرت حاطب بن ابی بلتعہؓ کے ہاتھ بھیجا۔ شاہِ مصر نے جواب میں تحفے تحائف دیئے، آپ ﷺ کے والا نامہ کی توقیر وتعظیم کی اور اقرار کیا کہ بے شک آپ ﷺ وہی نبی ہیں جن کی انبیاء سابقین نے بشارت دی ہے۔ اگرچہ شاہِ مصر آپ ﷺ پر ایمان نہیں لایا، مگر آپ ﷺ کو نبی مرسل جان لیا تھا۔ شاہ مصر اس سے پہلے بھی آپ ﷺ کے بارے میں صحابی رسول حضرت مغیرہ بن شعبہؓ سے معلوم کرچکا تھا اور مغیرہؓ مشرف باسلام ہونے سے پہلے بنی مالک کے چند آدمیوں کے ساتھ مقوقس کے پاس گئے تھے۔ جب حضرت مغیرہؓ نے مقوقس سے آپ ﷺ کے حالات سنے تو خود بھی قبولِ اسلام کی جستجو میں اسکندریہ کے بے شمار پادریوں سے آپ ﷺ کی صفت وشان دریافت کی، حتی کہ پادریوں کے اسقف اعظم (بڑے پادری) سے ملے جو بڑا عابد وزاہد تھا۔ اس سے دریافت کیا، کہا کہ ابھی کسی نبی کا مبعوث ہونا باقی ہے؟ تو اسقف اعظم نے جواب میں کہا:

''نعم هو آخر الأنبیاء لیس بینه وبین عیسیٰ بن مریم أحد، وهو نبی مرسل، وقد أمرنا عیسیٰ باتباعه، وهو النبی الأمی العربی، اسمه أحمد لیس بالطویل ولابالأبیض ولا بالآدم یعفو شعره ویلبس ما غلظ من الثیاب ویجتزئ بما لقی من الطعام، سیفه علی عاتقه ولایبالی بمن لاقی، یباشر القتال بنفسه ومعه أصحابه یفدونه بأنفسهم وهم له أشد حباً من أولادهم، یخرج من أرض حرم ویأتی إلی حرم یهاجر إلی أرض بسباخ ونخل یدین بدین إبراهیم علیه السلام''. (بحوالہ سیرۃ المصطفی، مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ ج:۲،ص:۲۶)

ترجمہ:...... ''ہاں! وہ آخری نبی ہے، ان کے اور حضرت عیسیٰ علیہ

السلام کے درمیان کوئی نبی نہیں، وہ نبی مرسل ہیں، حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ہم کو ان کی اتباع کا حکم دیا ہے، وہ نبی امی عربی ہیں، نام ان کا احمد ہے، نہ دراز قد ہیں، نہ پست قامت، آنکھوں میں ان کی نرمی ہے، نہ بالکل سفید ہیں، نہ بالکل گندمی، بال ان کے زیادہ ہوں گے، موٹے کپڑے پہنیں گے، جتنا کھانا میسر آئے گا اسی پر اکتفا وقناعت کریں گے، تلوار ان کے کندھے پر ہوگی، کسی مقابلہ کی پرواہ نہیں کریں گے، خود جہاد وقتال کریں گے، ان کے اصحابؓ ان کے ساتھ ہوں گے جو دل وجان سے ان پر فدا ہوں گے، اپنی اولاد سے زیادہ ان سے محبت رکھتے ہوں گے، وہ نبی حرم (مکہ) میں ظاہر ہوگا اور حرم (مدینہ) کی طرف ہجرت کرے گا، وہ زمین مستور اور نخلستانی ہوگی، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین کا پیروکار ہوگا''۔

قارئین کرام! حضور ﷺ کی آمد وبعثت پر انسان کے ساتھ جنات بھی شاہد ہیں، بلکہ اس سے بڑھ کر شجر وحجر نے بھی آپ ﷺ کو نبی برحق مانا اور جو اہل کتاب ایمان کی دولت سے محروم رہے تو محرومی کی یہ وجہ نہ تھی کہ حضور ﷺ کو وہ نبی مرسل نہیں سمجھتے تھے، نہیں! نہیں! وہ آپ ﷺ کو نبی برحق سمجھتے تھے، جانتے تھے، مگر مانتے نہیں تھے اور نہ ماننے کی وجہ قرآن پاک نے واضح الفاظ میں بتائی ہے:

''بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهِ أَنْفُسَهُمْ أَنْ يَكْفُرُوْا بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ بَغْياً أَنْ يُنَزِّلَ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهِ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهِ، فَبَآءُوْا بِغَضَبٍ عَلٰى غَضَبٍ وَّلِلْكَافِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ''۔ (البقرۃ:۹۰)

ترجمہ:...... ''بہت بری ہے وہ چیز جس کے بدلے انہوں نے اپنے آپ کو بیچ ڈالا، وہ ان کا کفر ہے، اللہ تعالیٰ کی نازل شدہ چیز کے ساتھ محض اس بات سے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا فضل اپنے جس بندہ پر چاہا نازل فرمایا، اسی کے باعث یہ لوگ غضب پر غضب کے مستحق ہوگئے اور ان کافروں کے لئے رسوا کرنے والا عذاب ہے''۔

اہل کتاب کے لئے فکر کی بات ہے کہ صرف اور صرف ضد بازی اور حسد کی وجہ سے خالق کائنات ربِ موسیٰ ورب عیسیٰ کے غضب کے مستحق ٹھہرے اور جس کا نتیجہ وانجام دوزخ کی آگ ہے۔

إذا نحن أدلجنا وأنت أمامنا
كفىٰ بالمطايا طيب ذكراك حاديا
وإن نحن أضللنا الطريق ولم نجد
دليلاً كفانا نور وجهك هاديا

قربانی کے احکام ومسائل

مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی ولی حسن ٹونکیؒ

عشرۂ ذی الحجہ کے فضائل:

آنحضرت ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لئے عشرۂ ذی الحجہ سے بہتر کوئی زمانہ نہیں، ان میں ایک دن کا روزہ ایک سال کے روزوں کے برابر اور ایک رات کی عبادت شب قدر کی عبادت کے برابر ہے۔ (ترمذی، ابن ماجہ)

قرآن مجید میں سورۂ ''والفجر'' میں اللہ تعالیٰ نے دس راتوں کی قسم کھائی ہے اور وہ دس راتیں جمہور کے قول کے مطابق یہی عشرۂ ذی الحجہ کی راتیں ہیں۔ خصوصاً نویں ذی الحجہ کا روزہ رکھنا ایک سال گذشتہ اور ایک سال آئندہ کے گناہوں کا کفارہ ہے اور عید کی رات میں بیدار رہ کر عبادت میں مشغول رہنا بڑی فضیلت اور ثواب کا موجب ہے۔

تکبیر تشریق:

''الله اكبر الله اكبر لا إله إلا الله والله أكبر الله أكبر ولله الحمد''۔

نویں تاریخ کی صبح سے تیرہویں تاریخ کی عصر تک ہر نماز کے بعد بآوازِ بلند ایک مرتبہ مذکورہ تکبیر کہنا واجب ہے۔ فتویٰ اس پر ہے کہ باجماعت اور تنہا نماز پڑھنے والے اس میں برابر ہیں، اس طرح مرد و عورت دونوں پر واجب ہے، البتہ عورت بآوازِ بلند تکبیر نہ کہے، آہستہ سے کہے۔ (شامی)

عیدالاضحیٰ کے دن مذکورہ ذیل امور مسنون ہیں:

صبح سویرے اُٹھنا، غسل و مسواک کرنا، پاک وصاف عمدہ کپڑے جو اپنے پاس ہوں پہننا،

خوشبو لگانا، نماز سے پہلے کچھ نہ کھانا، عیدگاہ کو جاتے ہوئے راستہ میں بآوازِ بلند تکبیر کہنا۔

نمازِ عید:

نمازِ عید دو رکعت ہیں۔ نمازِ عید اور دیگر نمازوں میں فرق صرف اتنا ہے کہ اس میں ہر رکعت کے اندر تین تین تکبیریں زائد ہیں۔ پہلی رکعت میں ''سبحانک اللّٰھم'' پڑھنے کے بعد قرأت سے پہلے اور دوسری رکعت میں قرأت کے بعد رکوع سے پہلے۔ ان زائد تکبیروں میں کانوں تک ہاتھ اٹھانے ہیں۔ پہلی رکعت میں دو تکبیروں کے بعد ہاتھ چھوڑ دیں، تیسری تکبیر کے بعد ہاتھ باندھ لیں۔ دوسری رکعت میں تینوں تکبیروں کے بعد ہاتھ چھوڑ دیئے جائیں، چوتھی تکبیر کے ساتھ رکوع میں چلے جائیں۔

☆......اگر دورانِ نماز امام یا کوئی مقتدی عید کی زائد تکبیریں یا ترتیب بھول جائے تو ازدحام کی وجہ سے نماز درست ہوگی، سجدۂ سہو بھی ضروری نہیں۔

☆......اگر کوئی نماز میں تاخیر سے پہنچا اور ایک رکعت نکل گئی تو فوت شدہ رکعت کو پہلی رکعت کی ترتیب کے مطابق قضاء کرے گا، یعنی ثناء ''سبحانک اللّٰھم'' کے بعد تین زائد تکبیریں کہے گا اور آگے ترتیب کے مطابق رکعت پوری کرے گا۔

نمازِ عید کے بعد خطبہ سننا مسنون ہے۔ خطبہ سننے کا اہتمام کرنا چاہئے، خطبہ سے پہلے اٹھنا درست نہیں ہے۔

فضائل قربانی:

قربانی کرنا واجب ہے، رسول اللہ ﷺ نے ہجرت کے بعد ہر سال قربانی فرمائی، کسی سال ترک نہیں فرمائی۔ جس عمل کو حضور ﷺ نے لگاتار کیا اور کسی سال بھی نہ چھوڑا ہو تو یہ اُس عمل کے واجب ہونے کی دلیل ہے۔ علاوہ ازیں آپ ﷺ نے قربانی نہ کرنے والوں پر وعید ارشاد فرمائی۔ حدیث پاک میں بہت سی وعیدیں ملتی ہیں، مثلاً: آپ ﷺ کا یہ ارشاد کہ جو قربانی نہ کرے وہ ہماری عیدگاہ میں نہ آئے۔ علاوہ ازیں خود قرآن میں بعض آیات سے بھی قربانی کا وجوب ثابت ہے۔ جو لوگ حدیث پاک کے مخالف ہیں اور اس کو حجت نہیں مانتے، وہ قربانی کا انکار کرتے ہیں، ان سے جو لوگ متأثر ہوتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ پیسے دے دیئے جائیں یا یتیم خانہ میں رقم دے دی جائے، یہ بالکل غلط ہے، کیونکہ عمل کی ایک تو صورت ہوتی ہے، دوسری حقیقت ہے۔ قربانی کی صورت یہی ضروری ہے، اس کی بڑی مصلحتیں ہیں، اس کی حقیقت اخلاص ہے۔ آیت قرآنی سے بھی یہی حقیقت معلوم ہوتی ہے۔

قربانی کی بڑی فضیلتیں ہیں:

مسند احمد کی روایت میں ایک حدیث پاک ہے، حضرت زید بن ارقمؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے

صحابہ کرامؓ نے عرض کیا کہ: یہ قربانیاں کیا ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: قربانی تمہارے باپ ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے۔صحابہ کرامؓ نے پوچھا: ہمارے لئے اس میں کیا ثواب ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اس کے ایک ایک بال کے عوض ایک نیکی ہے۔ اون کے متعلق فرمایا: اس کے ایک ایک بال کے عوض بھی ایک نیکی ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں: رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: قربانی کے دن اس سے زیادہ کوئی عمل محبوب نہیں، قیامت کے دن قربانی کا جانور سینگوں، بالوں اور کھروں کے ساتھ لایا جائے گا اور خون کے زمین پر گرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کے یہاں قبولیت کی سند لے لیتا ہے، اس لئے تم قربانی خوش دلی سے کرو۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں: قربانی سے زیادہ کوئی دوسرا عمل نہیں الا یہ کہ رشتہ داری کا پاس کیا جائے۔(طبرانی)

رسول اللہ ﷺ نے اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہؓ سے ارشاد فرمایا کہ: تم اپنی قربانی ذبح ہوتے وقت موجود رہو، کیونکہ پہلا قطرۂ خون گرنے سے پہلے انسان کی مغفرت ہو جاتی ہے۔

قربانی کی فضیلت کے بارے میں متعدد احادیث ہیں، اس لئے اہل اسلام سے درخواست ہے کہ اس عبادت کو ہرگز ترک نہ کریں جو اسلام کے شعائر میں سے ہے۔اور اس سلسلہ میں جن شرائط وآداب کا ملحوظ رکھنا ضروری ہے، اُنہیں اپنے سامنے رکھیں اور قربانی کا جانور خوب دیکھ بھال کر خریدیں۔قربانی سے متعلق مسائل آئندہ سطور میں درج کئے جارہے ہیں:

مسائل قربانی

مسئلہ نمبر:۱......جس شخص پر صدقۂ فطر واجب ہے، اُس پر قربانی بھی واجب ہے۔

☆......یعنی قربانی کے تین ایام (۱۰/۱۱/۱۲ ذوالحجہ) کے دوران اپنی ضرورت سے زائد اتنا مال یا اشیاء جمع ہو جائیں کہ جن کی مالیت ساڑھے باون تولہ چاندی کے برابر ہو تو اس پر قربانی لازم ہے، مثلاً رہائشی مکان کے علاوہ کوئی مکان ہو خواہ تجارت کے لئے ہو یا نہ ہو، اسی طرح ضروری سواری کے طور پر استعمال ہونے والی گاڑی کے علاوہ گاڑی ہو تو ایسے شخص پر بھی قربانی لازم ہے۔

مسئلہ نمبر:۲......مسافر پر قربانی واجب نہیں۔

مسئلہ نمبر:۳......قربانی کا وقت دسویں تاریخ سے لے کر بارہویں تاریخ کی شام تک ہے، بارہویں تاریخ کا سورج غروب ہو جانے کے بعد درست نہیں۔قربانی کا جانور دن کو ذبح کرنا افضل ہے اگرچہ رات کو بھی ذبح کر سکتے ہیں، لیکن افضل بقرعید کا دن، پھر گیارہویں اور پھر بارہویں تاریخ ہے۔

مسئلہ نمبر:۴......شہر اور قصبوں میں رہنے والوں کے لئے عید الاضحیٰ کی نماز پڑھ لینے سے قبل قربانی کا جانور ذبح کرنا درست نہیں ہے۔دیہات اور گاؤں والے صبح صادق کے بعد فجر کی نماز سے

پہلے بھی قربانی کا جانور ذبح کر سکتے ہیں، اگر شہری اپنا جانور قربانی کے لئے دیہات میں بھیج دے تو وہاں اس کی قربانی بھی نماز عید سے قبل درست ہے اور ذبح کرانے کے بعد اس کا گوشت منگوا سکتا ہے۔

مسئلہ نمبر: ۵...... اگر مسافر مالدار ہو اور کسی جگہ پندرہ دن قیام کی نیت کرے، یا بارہویں تاریخ کو سورج غروب ہونے سے پہلے گھر پہنچ جائے، یا کسی نادار آدمی کے پاس بارہویں تاریخ کو غروب شمس سے پہلے اتنا مال آ جائے کہ صاحب نصاب ہو جائے تو ان تمام صورتوں میں اس پر قربانی واجب ہو جاتی ہے۔

☆...... نیز اگر مسافر مالدار ہو، دوران سفر قربانی کے لئے رقم بھی ہو اور وہ پندرہ دن سے کم عرصہ کے لئے رہائش پذیر ہونے کے باوجود آسانی قربانی کر سکتا ہو تو قربانی کر لینا بہتر ہے۔

مسئلہ نمبر: ۶...... قربانی کا جانور اپنے ہاتھ سے ذبح کرنا زیادہ اچھا ہے، اگر خود ذبح نہ کر سکتا ہو تو کسی اور سے بھی ذبح کرا سکتا ہے۔

☆...... بعض لوگ قصاب سے ذبح کراتے وقت ابتداءً خود بھی چھری پر ہاتھ رکھ لیا کرتے ہیں، ایسے لوگوں کے لئے یہ ضروری ہے کہ قصاب اور قربانی والے دونوں مستقل طور پر تکبیر پڑھیں، اگر دونوں میں سے ایک نے نہ پڑھی تو قربانی صحیح نہ ہوگی۔ (شامی: ۶/۳۳۴)

مسئلہ نمبر: ۷...... قربانی کا جانور ذبح کرتے وقت زبان سے نیت پڑھنا ضروری نہیں، دل میں بھی پڑھ سکتا ہے۔

مسئلہ نمبر: ۸...... قربانی کا جانور ذبح کرتے وقت اس کو قبلہ رخ لٹائے اور اس کے بعد یہ دعا پڑھے:

''إني وجّهت وجهي للذي فطر السموات والأرض حنيفاً وما أنا من المشركين، إن صلاتي ونسكي ومحياي ومماتي لله رب العالمين، لاشريك له وبذلك أمرت وأنا أول المسلمين، أللّهم منك ولك''

اس کے بعد ''بسم الله الله أكبر'' کہہ کر ذبح کرے۔ (کذا فی سنن ابی داؤد)

ذبح کرنے کے بعد یہ دعا پڑھے:

''اللّهم تقبّله منّي كما تقبّلت من حبيبك محمد وخليلك إبراهيم عليهما الصلوٰة والسلام''۔

مسئلہ نمبر: ۹...... قربانی صرف اپنی طرف سے کرنا واجب ہے، اولاد کی طرف سے نہیں، اولاد چاہے بالغ ہو یا نابالغ، مالدار ہو یا غیر مالدار۔

مسئلہ نمبر: ۱۰...... درج ذیل جانوروں کی قربانی ہو سکتی ہے: اونٹ، اونٹنی، بکرا، بکری، بھیڑ، دُنبہ، گائے، بیل، بھینس، بھینسا۔

بکرا، بکری، بھیڑ اور دُنبہ کے علاوہ باقی جانوروں میں سات آدمی شریک ہو سکتے ہیں، بشرطیکہ

کسی شریک کا حصہ ساتویں حصہ سے کم نہ ہو اور سب قربانی کی نیت سے شریک ہوں یا عقیقہ کی نیت سے، صرف گوشت کی نیت سے شریک نہ ہوں۔

☆......گائے، بھینس اور اُونٹ وغیرہ میں سات سے کم افراد بھی شریک ہو سکتے ہیں اس طور پر کہ مثلاً چار آدمی ہوں تو تین افراد کے دو دو حصے اور ایک کا ایک حصہ ہو جائے۔ نیز اگر پورے جانور کو چار حصوں میں تقسیم کر لیں، یہ بھی درست ہے۔ یا یہ کہ دو آدمی موجود ہوں تو نصف نصف بھی تقسیم کر سکتے ہیں۔

☆......اسی طرح اگر کئی افراد مل کر ایک حصہ ایصالِ ثواب کے طور پر کرنا چاہیں تو یہ بھی جائز ہے، البتہ ضروری ہے کہ سارے شرکاء اپنی اپنی رقم جمع کر کے ایک شریک کو ہبہ کر دیں اور وہ اپنی طرف سے قربانی کر دے، اس طرح قربانی کا حصہ ایک کی طرف سے ہو جائے گا اور ثواب سب کو ملے گا۔

مسئلہ نمبر:۱۱......اگر قربانی کا جانور اس نیت سے خریدا کہ بعد میں کوئی مل گیا تو شریک کرلوں گا اور بعد میں کسی اور کو قربانی یا عقیقہ کی نیت سے شریک کیا تو قربانی درست ہے اور اگر خریدتے وقت کسی اور کو شریک کرنے کی نیت نہ تھی، بلکہ پورا جانور اپنی طرف سے قربانی کرنے کی نیت سے خریدا تھا تو اب اگر شریک کرنے والا غریب ہے تو کسی اور کو شریک نہیں کر سکتا اور اگر نادار ہے تو شریک کر سکتا ہے، البتہ بہتر نہیں۔

☆......ایک جانور قربانی کرنے کے لئے خریدا، اگر اس کے بدلے دوسرا حیوان دینا چاہے تو جائز ہے، مگر یہ لحاظ رکھنا ضروری ہے کہ دوسرا حیوان کم از کم اسی قیمت کا ہو، اگر اس سے کم قیمت کا ہو تو زائد رقم اپنے پاس رکھنا جائز نہیں، بلکہ صدقہ کرنا ضروری ہے۔ ہاں! اگر زبانی طور پر جانور کو متعین نہ کیا ہو، بلکہ یہ ارادہ کیا ہو کہ اگر اچھی قیمت میں فروخت ہو رہا ہو تو فروخت کر دیں گے۔ اس صورت میں اصل قیمت سے زائد رقم اپنے پاس رکھنے میں کوئی حرج نہیں۔

مسئلہ نمبر:۱۲......قربانی کا جانور گم ہوا، اس کے بعد دوسرا خریدا، اگر قربانی کرنے والا امیر ہے تو ان دونوں جانوروں میں سے جس کو چاہے ذبح کرے، جب کہ غریب پر ان دونوں جانوروں کی قربانی واجب ہوگی۔

وضاحت: اگر کسی آدمی نے قربانی کے لئے جانور خریدا اور خریدنے کے بعد وہ جانور قربانی کرنے سے پہلے گم ہو جائے تو صاحب حیثیت آدمی پر قربانی کے لئے دوسرا جانور خریدنا ضروری ہے، کیونکہ اس پر قربانی شرعاً واجب تھی اور واجب ادا نہیں ہوا، جبکہ فقیر آدمی پر دوسرا جانور خریدنا اور قربانی کرنا لازم نہیں تھا، اس کے باوجود غریب نے دوسرا جانور بھی خرید لیا، اب اگر مالدار اور غریب ہر دو کا پہلا گم شدہ جانور مل جائے تو امیر پر صرف شرعی واجب (قربانی) کا ادا کرنا لازم ہے، جس جانور کو ذبح کر دے کافی ہے، جب کہ غریب پر خود سے واجب کردہ جانوروں کی قربانی کرنا لازم ہے۔

اس کی تفصیل یوں ہے کہ امیر آدمی پر نصاب کی وجہ سے قربانی واجب تھی، اس نے وہ ادا

کردی، اس کے حق میں جانور متعین نہیں ہوا تھا، اُسے اختیار ہے کہ جس جانور کو چاہے ذبح کردے، جبکہ غریب آدمی پر قربانی لازم نہیں تھی، غریب نے از خود جانور خرید کر اپنے پر قربانی کو لازم کرلیا اور جو جانور اس نے خریدا وہ بھی متعین ہوگیا، اب پہلا جانور جو غریب کے حق میں قربانی کے نام سے متعین ہو چکا، اگر وہ گم ہو جائے تو اس کے بدلے دوسری قربانی لازم نہ تھی، اس کے باوجود غریب نے دوسرا جانور خرید کر اپنے پر قربانی لازم کرلی، اس بناء پر فقیر آدمی پر دوسری قربانی بھی لازم ہوئی۔ لہٰذا غریب آدمی دونوں جانوروں کی قربانی کرے گا، بخلاف مالدار کے کہ اس پر صرف قربانی لازم ہے، جانور متعین نہیں ہے۔ دونوں جانوروں میں سے کسی ایک کی قربانی کردے تو کافی ہے۔

مسئلہ نمبر:۱۳......قربانی کے جانور میں اگر کئی شرکاء ہیں تو گوشت وزن کر کے تقسیم کریں۔

مسئلہ نمبر:۱۴......بھیڑ، بکری جب ایک سال کی ہو جائے، گائے، بھینس دو سال کی اور اونٹ پانچ سال کا تو اس کی قربانی جائز ہے، اگر اس سے کم ہے تو جائز نہیں۔ ہاں! دنبہ اور بھیڑ (نہ کہ بکرا) اگر اتنا موٹا تازہ ہو کہ سال بھر کا معلوم ہو تو اس کی قربانی بھی جائز ہے۔

☆......موجودہ دور میں جانوروں کو تول کر (وزن کر کے) خرید و فروخت کرنا بھی جائز ہے، ایسی قربانی بلاشبہ درست ہے۔

مسئلہ نمبر:۱۵......قربانی کا جانور اگر اندھا ہو، یا ایک آنکھ کی ایک تہائی یا اس سے زائد روشنی جاتی رہی ہو، یا ایک کان ایک تہائی یا اس سے زیادہ کٹ گیا ہو، یا دُم ایک تہائی یا اس سے زیادہ کٹ گئی ہو تو ایسے جانور کی قربانی جائز نہیں ہے۔

☆......گائے اور بھینس کے دو تھن یا بکری کا ایک تھن خشک ہو چکا ہو یا پیدائشی طور پر نہ ہوں تو ایسے جانور کی قربانی بھی درست نہیں۔

مسئلہ نمبر:۱۶......اسی طرح اگر جانور ایک پاؤں سے لنگڑا ہے، یعنی تین پاؤں سے چلتا ہے، چوتھے پاؤں کا سہارا نہیں لیتا تو ایسے جانور کی قربانی بھی جائز نہیں، ہاں! اگر وہ چوتھے پاؤں سے سہارا لیتا ہے، لیکن لنگڑا کے چلتا ہے تو ایسے جانور کی قربانی درست ہے۔

مسئلہ نمبر:۱۷......قربانی کا جانور خوب موٹا تازہ ہونا چاہئے، اگر جانور اس قدر کمزور ہو کہ ہڈیوں میں گودا بالکل نہ رہا ہو، تو ایسے جانور کی قربانی جائز نہیں ہے۔

☆......بعض لوگ موٹا تازہ جانور محض دکھلاوے یا ریاء و نمود کے لئے خریدتے ہیں، ایسے لوگ قربانی کے ثواب سے محروم ہوتے ہیں، ان پر لازم ہے کہ وہ موٹا تازہ جانور تلاش کرتے ہوئے محض ثواب کی نیت کریں۔

مسئلہ نمبر:۱۸......اگر کسی جانور کے تمام دانت گر گئے ہوں تو اس کی قربانی جائز نہیں ہے اور اگر

اکثر دانت باقی ہوں کچھ گر گئے ہوں تو قربانی جائز ہے۔

☆……اگر کسی جانور کی عمر پوری ہو اور دانت نہ نکلے ہوں تو بھی قربانی ہو سکتی ہے، تاہم اس سلسلہ میں صرف جانوروں کے عام سوداگروں کی بات معتبر نہیں ہے، بلکہ یقین سے معلوم ہونا ضروری ہے یا یہ کہ خود گھر میں پالا ہوا جانور ہو تو اس کی قربانی کی جا سکتی ہے۔

مسئلہ نمبر:۱۹……جس جانور کے پیدائشی کان ہی نہ ہوں، اس کی قربانی جائز نہیں ہے۔

مسئلہ نمبر:۲۰……اگر کسی جانور کے سینگ بالکل جڑ سے ٹوٹ چکے ہوں اس طور پر کہ دماغ اس سے متأثر ہوا ہو تو ایسے جانور کی قربانی جائز نہیں اور اگر معمولی ٹوٹے ہوں یا سرے سے سینگ ہی نہ ہوں جیسے اونٹ تو بلا کراہت جائز ہے۔

☆……اسی طرح گائے، بکری وغیرہ کے اگر پیدائشی سینگ نہ ہوں تو اس کی قربانی بھی جائز ہے۔

مسئلہ نمبر:۲۱……خارش زدہ جانور کی قربانی جائز ہے، البتہ اگر خارش کی وجہ سے بے حد کمزور ہو گیا ہو تو پھر جائز نہیں۔

مسئلہ نمبر:۲۲……اگر قربانی کے جانور میں کوئی عیب پیدا ہوا جس کے ہوتے ہوئے قربانی درست نہ ہو تو مالدار شخص کے لئے یہ ضروری ہے کہ دوسرا جانور اس کے بدلے خرید کر قربانی کرے، غریب ہے تو اسی جانور کی قربانی کر سکتا ہے۔

☆……اگر قربانی کے جانور کو ذبح کرنے کے لئے گراتے ہوئے کوئی عیب پیدا ہو جائے، مثلاً ٹانگ کی ہڈی ٹوٹ جائے یا سینگ وغیرہ ٹوٹ جائے تو اس سے قربانی پر اثر نہیں پڑے گا، البتہ جانور کو گراتے وقت احتیاط کرنا چاہئے۔

مسئلہ نمبر:۲۳……قربانی کے گوشت میں بہتر یہ ہے کہ تین حصے کرے، ایک حصہ اپنے لئے رکھے، ایک حصہ اپنے رشتہ داروں کو دے اور ایک حصہ فقراء ومساکین کو دے، لیکن اگر سارے کا سارا اپنے لئے رکھے تب بھی جائز ہے۔

مسئلہ نمبر:۲۴……قربانی کی کھال کسی کو خیرات کے طور پر دے یا فروخت کر کے اس کی قیمت فقراء کو دے، البتہ اگر کسی دینی تعلیم کے مدرسہ اور جامعہ کو دے دے تو سب سے بہتر ہے، کیونکہ علم دین کا احیاء سب سے بہتر ہے۔

مسئلہ نمبر:۲۵……قربانی کی کھال کو اپنے مصرف میں بھی لایا جا سکتا ہے اس طور پر کہ اس کا عین باقی رہے، مثلاً مصلّٰی بنائے یا رسی یا چھلنی بنائے تو درست ہے۔

مسئلہ نمبر:۲۶……قربانی کی کھال کی قیمت مسجد کی مرمت یا امام ومؤذن یا مدرس یا خادم کی تنخواہ میں نہیں دی جا سکتی، نہ اس سے مدارس کی تعمیر ہو سکتی ہے اور نہ شفاخانوں یا دیگر رفاہی اداروں کی۔

مسئلہ نمبر: ۲۷......قربانی کی کھال قصائی کو اجرت میں دینا جائز نہیں۔

☆......اگر کسی کی قربانی کی کھال چوری ہوگئی یا چھن گئی تو اسے چاہئے کہ وہ کھال کی رقم صدقہ کردے، اگر استطاعت نہ ہو تو کوئی حرج نہیں، قربانی پر فرق نہیں پڑے گا۔

مسئلہ نمبر: ۲۸......اگر قربانی کے تین دن گزر گئے اور قربانی نہیں کی تو اب ایک بکری یا بھیڑ کی قیمت خیرات کردے، اور اگر جانور خریدا تھا مگر قربانی نہیں کی تو بعینہٖ وہی جانور خیرات کردے۔

مسئلہ نمبر: ۲۹......ایصال ثواب کے لئے قربانی کا گوشت خود بھی کھا سکتا ہے اور دوسروں کو بھی کھلا سکتا ہے۔

مسئلہ نمبر: ۳۰......اگر کسی شخص کے حکم کے بغیر اس کی طرف سے قربانی کی تو قربانی نہیں ہوگی۔ اسی طرح اگر کسی شخص کو اس کے حکم و اجازت کے بغیر قربانی میں شریک کیا تو کسی کی بھی قربانی نہیں ہوگی، اسی طرح اگر حصہ داروں میں سے کوئی ایک صرف گوشت کی نیت سے شریک ہے تو کسی کی قربانی صحیح نہ ہوگی۔

مسئلہ نمبر: ۳۱......قربانی کا گوشت غیر مسلم کو بھی دے سکتا ہے، البتہ کسی کو اجرت میں نہیں دے سکتا۔

مسئلہ نمبر: ۳۲......گابھن جانور کی قربانی صحیح ہے اگر بچہ زندہ نکلے تو اسکو بھی ذبح کردے۔ اور گوشت آپس میں تقسیم کرنے کی بجائے صدقہ کردیا جائے۔

☆......قربانی کے جانور کے بال کاٹنا یا دودھ دوھنا درست نہیں ہے، اگر کسی نے ایسا کیا تو اُسے صدقہ کرے، اگر بیچ دیا تو اس کی رقم کو صدقہ کرنا واجب ہے۔ (بدائع: ۵/۷۸)

مسئلہ نمبر: ۳۳......جو شخص قربانی کرنا چاہے اس کے لئے مستحب یہ ہے کہ یکم ذوالحجہ سے قربانی کا جانور ذبح ہونے تک نہ اپنے جسم کے بال کاٹے اور نہ ناخن۔ (ابوداؤد)

☆......البتہ اگر زیر ناف اور بغل کے بالوں پر چالیس روز کا عرصہ گزر چکا ہو تو ان بالوں کی صفائی کرنا بہتر ہے۔

مسئلہ نمبر: ۳۴......قربانی کا گوشت تین دن سے زیادہ تک بھی رکھ سکتا ہے۔ (ابوداؤد)

مسئلہ نمبر: ۳۵......جانور ذبح کرنے کے لئے چھری خوب تیز ہونی چاہئے تاکہ جانور کو تکلیف نہ ہو۔ (ابوداؤد)

مسئلہ نمبر: ۳۶......اگر کوئی شخص اپنی قربانی کا گوشت سارا کا سارا کسی اور کو کھلا دے خود کچھ بھی نہ کھائے تو ایسا کر سکتا ہے۔ (کتاب الآثار)

مسئلہ نمبر: ۳۷......خصی جانور کی قربانی جائز، بلکہ افضل ہے، کیونکہ اس میں دوسرے کی بہ نسبت گوشت زیادہ ہوتا ہے۔

مسئلہ نمبر: ۳۸...... ذبح کرتے وقت تکبیر کے علاوہ کچھ اور نہیں کہنا چاہئے، مثلاً: ''باسم اللہ تقبل من فلان''۔ (کتاب الآثار)

مسئلہ نمبر: ۳۹...... اگر کسی نے قربانی کی نذر مانی اور وہ کام ہو جائے تو قربانی واجب ہے، اس کے گوشت سے خود نہیں کھا سکتا، سارا فقراء اور مساکین کو کھلا دے۔

مسئلہ نمبر: ۴۰...... اگر کسی شخص کی ساری یا اکثر آمدنی حرام کی ہو تو اس کو اپنے ساتھ قربانی میں شریک نہیں کرنا چاہئے۔ اگر شریک کیا تو کسی کی قربانی نہیں ہوگی۔

ایسا شخص جس کی ساری کمائی حرام کی ہو، اس پر قربانی لازم نہیں کیونکہ اس کا سارا مال واجب التصدق (بلانیتِ ثواب صدقہ کرنا ضروری) ہے۔ دوسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ حرام مال سے کسی کا صدقہ قبول نہیں فرماتے، بلکہ وہاں صرف پاکیزہ مال سے کیا ہوا صدقہ وخیرات قبول ہوتا ہے۔

مسئلہ نمبر: ۴۱...... بکری کے علاوہ دوسرے کسی جانور میں تمام شرکاء اپنا اپنا حصہ تقسیم کئے بغیر فقراء کو دینا چاہیں تو دے سکتے ہیں۔

☆...... البتہ اگر نذر کی قربانی ہو یا مرحوم کی وصیت کے تحت قربانی کر رہے ہیں تو پھر تقسیم سے پہلے کسی فقیر کو دینا درست نہیں۔

مسئلہ نمبر: ۴۲...... کسی نے مرتے وقت وصیت کی کہ میرے مال سے قربانی کی جائے تو اس قربانی کا سارا گوشت خیرات کرنا ضروری ہے، خود کچھ بھی نہ کھائے۔

اللہ تعالیٰ امت مسلمہ کو قربانی کی روح اور حقیقت سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہماری یہ ظاہری قربانی حقیقی قربانی کے لئے پیش خیمہ ہو اور ہم اس ظاہری و مادی قربانی کی طرح اللہ کے حکم پر اپنی جان کی قربانی کے لئے بھی ہمیشہ تیار رہیں۔

واللہ الموفق والمعین وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقه محمد وآله وصحبه أجمعین

ضروری اعلان

قارئین بینات کو مطلع کیا جاتا ہے کہ ماہِ محرم 1434ھ سے ماہنامہ بینات کے زرِ سالانہ میں مبلغ پچاس روپے کا اضافہ کیا جا رہا ہے، لہٰذا آئندہ زرِ سالانہ 350 روپے ہوگا۔ قارئین نوٹ فرمالیں۔ (ادارہ)

نقد و نظر

تبصرے کے لئے ہر کتاب کے دو نسخوں کا آنا ضروری ہے

ادارہ

ذرا سوچئے! (حصہ اول، دوم، سوم)

جمع و ترتیب: مفتی صغیر نعمانی صاحب مع رفقاء ومعاونین۔ صفحات حصہ اول: ۱۵۵، صفحات حصہ دوم وسوم: ۲۰۳۔ قیمت: درج نہیں۔ برائے رابطہ: محمد نادر میواتی، فون نمبر: 03009214604۔ محمد رئیس، فون نمبر: 03218269001

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی جس کا ایک ایک گوشہ قرآن وحدیث اور تاریخ میں تفصیلاً موجود ہے مسلمانوں کے لئے بہترین اُسوہ اور عمدہ نمونہ ہے، جس کو صرف جاننا اور ماننا کافی نہیں، بلکہ اُس پر عمل پیرا ہونا اصل مطلوب اور مقصود ہے۔ جس میں ہر مسلمان کی دنیوی اور اخروی کامیابی کا راز مضمر ہے۔ زیرِ تبصرہ کتاب جو مفتی صغیر نعمانی صاحب نے اپنے رفقاء ومعاونین کے ساتھ مل کر ترتیب دی ہے، اس میں مسلمانوں کو عمل کی ترغیب دینے اور عمل کی طرف متوجہ کرنے کے لئے منتخب آیات، احادیث اور تاریخی واقعات جمع کئے گئے ہیں۔ اس کتاب کو ترتیب دینے والے حضرات کا اندازِ تحریر عمل کی ترغیب دیتا ہے، چنانچہ ہر آیت، حدیث اور واقعہ کے ذکر کے بعد ایک جملہ ''ذرا سوچئے!'' کا لکھا گیا ہے، جس سے قاری کا ذہن عمل کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور وہ یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ کیا میں نے بھی کبھی اس حکم پر عمل کیا؟۔ عمل پر اُبھارنے اور اس کی ترغیب کا یہ ایک انوکھا انداز ہے۔ اللہ تعالیٰ اس انداز سے کتاب ترتیب دینے والوں کی محنت اور ان کے اخلاص کو قبول فرمائے۔ اور اس کتاب کا نفع عام فرمائے۔ اگر کتاب کے تینوں حصے ایک ہی جلد میں آ جائیں تو قارئین کے لئے استفادے میں سہولت ہوگی۔

قواعدُ التفسیر

مؤلف: مولانا محمد نعمان صاحب۔ صفحات: ۳۳۶۔ قیمت: ۱۸۰ روپے۔ ناشر: مکتبہ عمر فاروق ۴/۴۹۱ شاہ فیصل کالونی، کراچی، فون نمبر: 021-34594144

زیرنظر کتاب فاضل نوجوان مولانا محمد نعمان صاحب کی ایک شاہکار علمی کاوش ہے۔ انہوں نے بڑی عرق ریزی اور ہزاروں صفحات کے مطالعہ کے بعد تفسیر قرآن کے سمجھنے میں ممدومعاون قواعد کو یکجا جمع کردیا ہے۔

یہ ۱۶۶ تفسیری قواعد مختلف کتابوں میں منتشر تھے۔ سب سے زیادہ یکجا قواعد عربی کی ایک کتاب ''القواعد الحسان لتفسیر القرآن'' میں ہیں، جن کی تعداد ۷۱ تک پہنچتی ہے۔ جبکہ مؤلف موصوف نے اس موضوع کی تمام کتابوں کے مطالعہ کے بعد ۱۶۶ قواعد کو یکجا جمع کردیا ہے۔ قواعد اکٹھے کرنے کے ساتھ ساتھ ایک ایک قاعدہ کی وضاحت اور تفہیم کے لئے کئی کئی مثالیں دیں، علاوہ ازیں مثالوں کی قواعد سے تطبیق بھی دی گئی ہے، جس سے قاعدہ کا سمجھنا نہایت آسان ہوگیا ہے۔ نیز تمام قواعد باحوالہ ذکر کئے گئے ہیں۔ بلاشبہ اپنے موضوع پر اُردو میں یہ پہلی کتاب ہے۔ مؤلف کا اردو دان طبقہ پر بہت بڑا احسان ہے۔ اللہ تعالیٰ مؤلف کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ کتاب کا ٹائیٹل اور کاغذ عمدہ ہے۔ آئندہ ایڈیشن میں اگر علاماتِ ترقیم کا بھی اہتمام کیا جائے تو بہتر ہے۔ علم دوست حضرات سے اُمید ہے کہ وہ اس کتاب کی قدر دانی فرمائیں گے۔

مشکلات کا حل قرآن کے ذریعہ

ترجمہ وتشریح واضافہ عنوانات: مولانا فہیم الدین قریشی مع رفقاء ومعاونین۔ صفحات: ۱۱۲۔ قیمت: درج نہیں۔ پتہ: غازی محمد بن قاسم مسجد، سندھی مسلم سوسائٹی، بلاک اے، نزد شاہراہِ فیصل، کراچی۔

وظائف، عملیات اور تعویذات کے موضوع پر حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کی ''اعمالِ قرآنی'' کے نام سے اردو زبان میں ایک کتاب تھی، جس میں مختلف بیماریوں اور پریشانیوں کا حل قرآنی آیات کی روشنی میں بتایا گیا تھا، حضرت تھانوی رحمہ اللہ کی زندگی ہی میں افریقہ کے مسلمانوں کی خواہش اور حضرتؒ کی اجازت سے جناب محمد رفیق ہتھورانی صاحب نے اُس کا انگریزی ترجمہ کیا تھا۔ زیرتبصرہ کتاب اُس انگریزی ترجمہ کا اُردو ترجمہ ہے، جس میں تصحیح کے اہتمام کے ساتھ مختصر تشریح وعنوانات کا بھی اضافہ کیا گیا ہے۔ یہ ترجمہ وتشریح اور اضافہ عنوانات کا کام مولانا فہیم الدین قریشی صاحب نے اپنے احباب کے ساتھ مل کر کیا ہے۔ عملیات سے شغف رکھنے والے حضرات اورعوام الناس ادھر ادھر کے چکروں میں پڑنے کے بجائے مستند علماء اور اکابرین کی اس موضوع پر لکھی ہوئی کتابوں سے استفادہ کریں تو یہ ان کے لئے دنیا اور آخرت دونوں اعتبار سے بہتر ہے۔

چونکہ اصل کتاب حضرت تھانویؒ کی ہے، مقدمہ میں بھی اس بات کا تذکرہ موجود ہے اور حضرتؒ کے احوالِ زندگی بھی پیش لفظ کے بعد ذکر کئے گئے ہیں۔ اس لئے زیادہ مناسب یہ تھا کہ حضرتؒ کا نام بھی ٹائیٹل پر ہوتا۔ امید ہے کہ آئندہ ایڈیشن میں اس بات کا خیال رکھا جائے گا۔ کتاب کا کاغذ اور جلد عمدہ ہے۔

خوشخبری

الحمد للہ ...... فتاویٰ محمودیہ کی شاندار مقبولیت کے بعد

اربابِ فتویٰ، اہل علم اور طالبانِ علوم نبوت کے لیے

ایک اور عظیم الشان علمی و فقہی شاہکار

مفتی اعظم ہند
حضرت مولانا مفتی
محمد کفایت اللہ صاحب دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ
کے ہزاروں فتاویٰ کا مجموعہ

کفایت المفتی

مع اضافات جدیدہ

جدید تحقیق، تخریج اور تعلیق

زیر سرپرستی
شیخ الحدیث حضرت مولانا
سلیم اللہ خان صاحب زید مجدہم
رئیس جامعہ فاروقیہ کراچی

14 ضخیم جلدوں میں

اب منظر عام پر!

زیر نگرانی **دارالافتاء جامعہ فاروقیہ کراچی**

امتیازی خصوصیات

- **تخریج**: ہر مسئلہ کی امہات کتب کے متداول نسخوں سے تخریج
- **تبویب**: متفرق و منتشر مسائل کی بطرز فقہی کتب و ابواب، جدید تبویب و ترتیب
- **تحقیق وتعلیق**: عرف، مخصوص حالات یا مقام کی وجہ سے غیر مفتیٰ بہ اقوال پر دیے گئے فتاویٰ کی نشان دہی کے ساتھ ساتھ موجودہ زمانے میں مفتیٰ بہ قول کی تصریح
- **مراجعت وتصحیح**: کفایت المفتی کے ہر سوال وجواب کا قدیم ہندوستانی نسخے کے ساتھ مکمل موازنہ وتصحیح
- **اضافہ رسائل**: مجموعہ کفایت المفتی میں کثیر تعداد میں شامل رسائل، متعلقہ باب میں مستقل رسالے کی صورت میں

دیگر خصوصیات

1. ...... تدوین فقہ وفتاویٰ سے متعلق تفصیلی مقدمہ
2. ...... سوانح مفتی اعظم ہند
3. ...... جامع اور مختصر عنوانات
4. ...... علامات ترقیم کے برمحل استعمال کا خوب اہتمام
5. ...... ہر تخریج طلب مسئلہ میں کم از کم تین حوالہ جات
6. ...... مشکل الفاظ کے معانی کی وضاحت
7. ...... ہر سوال بانمبر، ہر صفحے کے مستقل حواشی
8. ...... کمپیوٹر کی معیاری وخوب صورت کتابت، سفید معیاری کاغذ، مضبوط جلد، اضافی پلاسٹک کور اور امپورٹڈ، مضبوط، لیمینیشن کے ساتھ خوب صورت کارٹن میں

فوری رابطہ کے لیے
ادارہ الفاروق کراچی جامعہ فاروقیہ، شاہ فیصل کالونی نمبر 4، کراچی، پوسٹ کوڈ نمبر 75230، پاکستان

Tel +92-21-34599167
Fax.+92-21-34571525
Email: info@farooqia.com

طبی کورسز

آج بے شمار ڈاکٹرز، حکماء اور مختلف ادویہ ساز ادارے مختلف طبی کورسز مشتہر کر رہے ہیں، لیکن استعمال کرنے پر یا تو مرض وقتی طور پر دب جاتا ہے، یا مرض نہ صرف پہلے سے بڑھ جاتا ہے، بلکہ ساتھ اور علامات بھی واضح ہو جاتی ہیں، چنانچہ میں نے اپنے ۴۰ سالہ طبی کیریئر میں لاکھوں مریضوں پر آزمانے کے بعد ۱۰۰ فیصد کامیاب طبی کورسز تیار کئے ہیں اور ساتھ ہی ان چار چیزوں کی گارنٹی دیتا ہوں: (۱) ان میں کوئی نشہ آور دوائی نہیں ہے (۲) ان میں کوئی زہریلی دوائی نہیں ہے (۳) ان میں کوئی کشتہ شدہ دوائی نہیں ہے (۴) ان میں کوئی ایلو پیتھک دوائی نہیں ہے۔ جس لیبارٹری سے چاہیں چیک کروالیں۔

میرا طبی پس منظر یہ ہے کہ میں فاضل الطب والجراحت رجسٹرڈ درجہ اول ہوں، دوا ایوارڈ ایک گولڈ میڈل لے چکا ہوں، طبیہ کالج کا سابقہ لیکچرار رہوں۔ نظریہ مفرد اعضاء کے تحت چالیس سالہ تجربہ ہے۔ ادویہ ساز اداروں کا ناظم اعلیٰ اور مختلف مطبوں اور مختلف اجتماعات پر بطور حکیم لاکھوں مریضوں کا علاج کر چکا ہوں۔

ہمارے پندرہ روزہ کورسز اور ان کی قیمتیں درج ذیل ہیں۔

۱۔ دُبلا پن ۱۰۰۰	۷۔ ہائی بلڈ پریشر۔ ۲۰۰۰	۱۳۔ سوزاک۔ ۲۰۰۰	۱۹۔ کیرا ۳۰۰۰	۲۵۔ یرقان ---۵۰۰۰
۲۔ موٹاپا ---۱۰۰۰	۸۔ شوگر ---۱۰۰۰	۱۴۔ جریان---۳۰۰۰	۲۰۔ بواسیر---۳۰۰۰	۲۶۔ جنون ---۵۰۰۰
۳۔ احتباس الطمث۔ ۲۰۰۰	۹۔ کثرت الطمث۔ ۱۰۰۰	۱۵۔ عسرت الطمث۔ ۱۰۰۰	۲۱۔ بے اولادی زنانہ۔ ۳۰۰۰	۲۷۔ بے اولادی مردانہ۔ ۳۰۰۰
۴۔ اٹھرا ---۳۰۰۰	۱۰۔ السر---۲۰۰۰	۱۶۔ احتلام ---۳۰۰۰	۲۲۔ اعصابی کمزوری۔ ۵۰۰۰	۲۸۔ کمی سپرم۔ ۱۰۰۰۰
۵۔ پتھری---۱۰۰۰	۱۱۔ دق الطفال---۱۰۰۰	۱۷۔ سرعت انزال۔ ۳۰۰۰	۲۳۔ اوجاعی۔ ۱۰۰۰	۲۹۔ لیکوریا ---۱۰۰۰
۶۔ دمہ ---۱۰۰۰	۱۲۔ تبخیر معدہ۔ ۳۰۰۰	۱۸۔ اسقاطِ حمل ۲۰۰۰	۲۴۔ تیزابیت۔ ۳۰۰۰	۳۰۔ تپ دق۔ ۳۰۰۰
۳۱۔ رسولیاں---۳۰۰۰	۳۲۔ رعشہ ---۳۰۰۰	۳۳۔ برص ---۳۰۰۰	۳۴۔ آتشک۔ ۵۰۰۰	۳۵۔ ہیموفیلیا۔ ۱۰۰۰۰

نوٹ: (۱) دوائی یا کورس بذریعہ ڈاک منگوانے کے لئے رقم پہلے بھیجیں۔

(۲) ملاقات کرنے کے لئے فون پر پہلے وقت لے لیں۔

اکاؤنٹ نمبر: ۱۳۴۸۷۹۰۰۲۲۷۹۰۱ HBL عمر آباد شناختی کارڈ نمبر: ۳۵۱۰۳-۱۴۲۶۸۷۵-۳

حکیم حاجی عبدالکریم بھٹی

لاہور ملتان روڈ، حبیب آباد ضلع قصور

فون: ۰۳۴۵-۷۵۴۵۱۱۹، ۰۳۱۳-۷۵۴۵۱۱۹